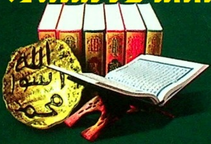


قرآن کریم اور صحیح احادیثِ مبارکہ پر مشتمل

فہمِ دین کورس

1



مُرتِب

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محبوب احمد ابو عاصم حفظہ اللہ

نظرثانی

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن عزیز حفظہ اللہ

قرآن کریم اور صحیح احادیثِ مبارکہ پر مشتمل

فہمِ دین کورس 1

مُرتب

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محبوب احمد ابو عاصم ﷾

نظرثانی

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن عزیز ﷾

دار المصنفین

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دار المصنفین
DAR-UL-MUSANNIFEEN
جدت اور تحقیق کا امین
2022ء

فہم دین کورس 1

مُرتب ـــــــ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محبوب احمد ابوعاصم حفظہ اللہ
نظرثانی ـــــــ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن عزیز حفظہ اللہ
اشاعت ـــــــ جنوری 2022ء

اسٹاکسٹ
G/F-3 حاجی حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 0300-4262092 0308-4131740
دار المصنفین
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

Facebook/Dar-ul-Musannifeen
darulmusannifeen@gmail.com

تفسیر القرآن

سورۃ الفاتحہ۔ سورۃ العصر تا سورۃ الناس

تفسیر سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۗ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۗ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

وجہ تسمیہ: اس کے مضمون کی مناسبت سے اسے فاتحہ کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے قرآن کریم کی ابتداء ہوتی ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جو مکمل نازل ہوئی۔

اس کے دوسرے نام: (1) (السَّبْعُ الْمَثَانِيْ) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ (2) (أُمُّ الْقُرْآن) (3) (أُمُّ الكتاب) جیسا کہ حدیث میں ہے: (لَا صَلاةَ لِمَن لَّمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْكِتَابِ)، مزید یہ کہ یہ سورت توحید، احکام، جزاء، اور لوگوں کے مختلف طریقوں پر مشتمل ہے، اس لیے بھی اسے ام الکتاب کہا گیا ہے۔ (4) (الصلاۃ) جیسے حدیث قدسی میں ہے (قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي ...) (5) (الرُّقْيَة) جیسے حدیث ابی سعید الخدری میں ہے: (وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَة) (6) (الوافِيَة) (7) (الكَافِيَة) کیونکہ یہ سورت ہر چیز کے لیے کافی ہے کوئی بھی دوسری سورت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اہمیت وفضیلت:

جو سورت ایک دن میں (30) مرتبہ سے زیادہ فرضوں اور سنتوں میں دہرائی جاتی ہو، اور اس کے بغیر کوئی نماز بھی قبول نہ ہوتی ہو، اللہ رب العزت کی صفاتِ کمال وجلال پر مشتمل ہو، اور راہِ ہدایت پانے کا سرچشمہ ہو، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس سورت کے معانی وتفسیر معلوم کرے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: (جس نے فرض ونفل کی ہر رکعت میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے)، اور سنن الدارقطنی کی صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) یعنی جس نماز میں کوئی شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔ صحیح بخاری میں ابوسعید بن معلّی کی حدیث: (لَأُعَلِّمَكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ) میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل قرآن کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا، اور پھر آپ نے انہیں سورت فاتحہ سکھائی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے جبریل علیہ السلام نے آپ کو فرمایا: آپ کو دو ایسے نور دیے گئے ہیں جو آپ سے قبل کسی نبی کو نہیں ملے: سورۃ الفاتحہ اور سورۃ بقرۃ کی آخری آیات۔

مضمون اور بنیادی مقصد:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سورت میں ایک عظیم دعاء سکھائی ہے اور وہ دعاء راہِ ہدایت پانے کی ہے، جس میں انسان کی دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی ہے، اور قرآن کی ابتداء میں یہ دعاء مانگنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے سؤال پر مکمل قرآن سامنے رکھ دیا کہ یہ وہ قرآن ہے جس سے تمہیں ہدایت مل سکتی ہے ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾

آیات کی تفسیر:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم اللہ فاتحہ کی آیت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اسے نماز میں سورۃ فاتحہ سے قبل پڑھنا چاہیے۔ بِسْمِ اللّٰهِ کی فضیلت یہ ہے جس کام میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی جائے اس میں اللہ کی مدد شامل ہوتی اور خیر وبرکت پیدا

ہوتی ہے۔اور شیطان کی شرانگیزیوں سے محفوظ ہوا جاتا ہے۔جن موقعوں پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا ضروری ہے اس میں جانور ذبح کرتے وقت، وضوء کی ابتداء میں، کھانا کھاتے ہوئے، اور ہمبستری کے وقت۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: دعا کی ابتداء اس ہستی کی تعریف سے کی جارہی ہے جس سے دعا مانگنا چاہتے ہیں، اور حقیقت میں وہی ذات ہر طرح کی دعاؤں کی مستحق ہے، جسے کچھ بھی عطا کرنے سے کوئی منع کرنے والا نہیں، اور نہ ہی اس کے خزانوں میں کسی طرح کی کمی پیدا ہوتی ہے۔تعریف صرف اللہ ہی کے لیے ہے، کیونکہ کائنات میں جو بھی خوبصورتی یا کمال ہے تو اس کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

رب کا لفظ: مالک وآقا، پرورش کرنے اور حاکم ومدبر ومنظم کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ سب معانی اللہ کے لائق ہیں۔(الحمد للہ) کی فضیلت میں صحیح مسلم کی حدیث ہے: (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلأُ الْمِيْزَانَ)"یہ کلمہ ہے جو نیکیوں کا ترازو بھر دیتا ہے۔"

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: رحمن ورحیم دونوں کا مصدر: رحمت ہے، لیکن رحمن سے مراد وہ رحمت ہے جو ہر کافر ومؤمن کے لیے عام ہے، جبکہ رحیم سے مراد وہ رحمت ہے جو صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے۔اس آیت میں اللہ رب العزت کی عظیم رحمت کا بیان ہے۔اسی لیے اس کی رحمت کو اس مبالغہ کے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: دین کے معانی معاملہ، جزاء وسزا ہے، کہا جاتا ہے: (كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ)(جیسا کرو گے ویسا بھرو گے)، قیامت کے دن کا مالک قرار دینے کا مقصد یہ کہ اس دن تمام ملکیتیں ختم ہو جائیں گی، (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ)آج کس کی ملکیتیں ہیں؟ صرف ایک ہی غالب وقاہر اللہ کی۔وہی پورے اقتدار کا مالک ہوگا، نہ اس کی سزا میں کوئی رکاوٹ بن سکے گا، اور اس کی جزا میں کوئی مانع ہوگا۔یہ وہ دن ہے جس میں تمام اگلی پچھلی نسلوں کا حساب لیا جائے گا، جس سے یہ آیت مبارکہ تلاوت کرنے والے کو اس دن کی تیاری کے لیے ہوشیار اور متنبہ کیا جارہا ہے۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ: بعض علماء کرام کا فرمان ہے: سورۃ فاتحہ قرآن کا خلاصہ، اور یہ آیت سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ لفظ عبادت کے مفہوم میں: پوجا و پرستش، اطاعت و فرمانبرداری، بندگی وغلامی، اور ہر وہ قول وعمل شامل ہے جو نیکی وثواب اور رضاء الٰہی کے مقصد سے کیا جاتا ہو، ان سب چیزوں کا صرف اللہ تعالیٰ ہی لائق ہے۔ چنانچہ ایسے اعمال صرف اللہ ہی کے لیے ہونے چاہیے۔

مدد و استعانت کی دو قسمیں:

وہ مدد جو ظاہری اسباب وسائل کے تحت ایسے شخص سے لی جائے جو حاضر اور مدد کرنے کی ظاہری قدرت رکھتا ہو، یہ جائز ہے۔ جبکہ ایسی مدد جو ظاہری اسباب سے ہٹ کر ما فوق الفطرت طریقہ سے ہو وہ صرف اللہ کی ذات سے جائز ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ: یہ اس سورت کا بنیادی مقصد ہے کہ اللہ رب العزت سے سیدھی راہ کی ہدایت مانگنا، جس ہدایت پانے میں دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی ہے۔

ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہدایت توفیق وعمل، اور یہ ہدایت بخشنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، کائنات کی کوئی ہستی یہ ہدایت دینے پر قادر نہیں جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ (بلا شبہ (اے نبی) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے)، (۲) جبکہ ہدایت کی دوسری قسم: دلالت اور رہنمائی ہے، جو انبیاء ورسل اور ان کے منہج پر چلنے والے دے سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿ وَ اِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴾ (بے شک آپ سیدھی راہ کی راہنمائی کرتے ہو)۔

اس سے ما قبل آیات اس دعا کے مقدمات ہیں، جو قبولِ دعا کے لیے وسیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس میں اللہ رب العزت کے نام، اس کی صفات اور اپنے نیک عمل کا وسیلہ پیش کیا گیا ہے، اور یہی وہ وسیلہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ ﴾، جبکہ اس کے سوا کسی ذات واشخاص یا ان کے اعمال وجاہ کا

وسیلہ پیش کرنا شرک ہے جس میں ہر دور کے مشرک مبتلا رہے ہیں، کفار مکہ سے بھی جب کہا جاتا کہ غیر اللہ سے دعائیں فریادیں کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیتے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (ہم تو صرف اس ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک رسائی کردیں)۔ صراطِ مستقیم اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: دنیا میں طرح طرح کے مذاہب وافکار ہیں، اور ہر کوئی اپنے کو صحیح اور دوسروں کے غلط ہونے کا دعوے دار ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم پانے والوں کی وضاحت کی کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا، اور اللہ کا انعام پانے والے وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو ایسے لوگوں کا شمار نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا)۔ اور اصل انعام آخرت کی کامیابی اور جنتوں کو پالینا ہے، کیونکہ یہی حقیقی اور دائمی نعمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں عارضی اور ناتمام ہیں، جن کو پانے والے عموماً آخرت کے دائمی عذاب پانے والے ہوتے ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ: صحیح ابن حبان میں عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایک سے زیادہ جگہ پہ یہود کے الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہونے کا بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (اور اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے)، دوسری آیت میں فرمان ہے: ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (اللہ کا اُن پر غضب ہوا)۔ یہود پر اللہ کا غضب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اِن لوگوں نے حق جاننے پہچاننے کے باوجود اس پر عمل نہ کیا۔ نصاریٰ کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ کہ اِن لوگوں نے حق نہ تو جانا اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہو سکے۔

آمین: کا معنی (قبول فرما لے) یہ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے، لیکن فاتحہ میں کی جانے والی دعا پر یہ لفظ کہنا مسنون ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ معاف ہو گئے۔'' مزید آپ کا فرمان ہے: ''یہود تم سے سب سے زیادہ حسد تمہارے آمین کہنے پر کرتے ہیں۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ آمین کہا کرو۔'' (ابن ماجہ عن ابن عباس)

سورۃ الناس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تو کہہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو ہٹ ہٹ کر آنے والا ہے۔ وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے۔

سورۃ الناس کی فضیلت:

امام بیہقی روایت فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو دورانِ نماز بچھو نے ڈس لیا، آپ نے نماز سے فارغ ہو کر پانی میں نمک ڈال کر اس پر ملا اور ساتھ ساتھ (قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھتے رہے۔

قُلْ: (کہہ دیجیے) اس پیغام کا حصہ ہے جو تبلیغ کے لیے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ آپ کے بعد ہر مسلمان بھی اس کا مخاطب ہے۔

اَعُوْذُ: (میں پناہ لیتا ہوں) پناہ مانگنے سے مراد کسی چیز سے خوف محسوس کر کے اپنے

آپ کو اس سے بچانے کے لیے کسی دوسرے کی حفاظت میں آنا۔ اس کی آڑ لینا، پناہ لینے والا محسوس کرتا ہے کہ جس چیز سے وہ ڈر رہا ہے وہ خود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس سے بچنے کے لیے دوسرے کی ضرورت ہے جو اسے پناہ دینے پر قادر ہے۔

پناہ کی ایک قسم ہے: طبعی قوانین کے مطابق عالمِ اسباب کے اندر رہتے ہوئے کسی محسوس و مادّی طاقت سے پناہ حاصل کرنا، جو اسے پناہ دینے پر ظاہری طاقت رکھتی ہو۔ جیسا کہ دشمن سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہونا۔ یا حاضر و موجود لوگوں سے مدد حاصل کرنا۔

پناہ کی دوسری قسم ہے کسی فوق الفطری ہستی کی پناہ لینا، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ ہستی عالمِ اسباب پر حکمران ہے یہ پناہ صرف اللہ رب العزت سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اس کی تین صفات سے یاد کر کے پناہ مانگنے کی تلقین: (بِرَبِّ النَّاسِ) رب کا معنی: پروردگار و مربی و آقا۔ (مَلِكِ النَّاسِ) تمام انسانوں کا بادشاہ اور حاکم و فرمانروا۔ (إِلٰهِ النَّاسِ) انسانوں کا حقیقی معبود۔ یہ تینوں صفات بتدریج بیان فرمائی گئیں، سب سے پہلے اللہ رب العزت کی ربوبیت (رب الناس) کا بیان جس پر ایمان ہر دور کے لوگوں کی ضرورت رہی ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں اس کی عظمت و کبریائی کے آثار دیکھ کر اس کے خالق و مالک ہونے کا انکار نہیں کر سکتے، اور جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے وہی حقیقی بادشاہ ہے (وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ) (جس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں)، اسی کا حکم نافذ ہونا چاہیے (مَلِكِ النَّاسِ)، جو ذات خلق و ملک اور حاکمیت و فرمانروائی کی اِن صفاتِ عظیمہ کی مالک ہو وہی حقیقی طور پر عبادت کے لائق ہے، اسی لیے وہ (إِلٰهِ النَّاسِ) ہے۔

یہ استعاذہ ایسی ذات سے ہے جو بندوں کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہے۔ جو انہیں اپنی مخلوقات کے ہر طرح کے شر سے بچا سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی نہیں جو حقیقت میں پناہ دے سکتا ہو۔ (وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ) (وہی پناہ دیتا ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا)

(مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ) (الخناس کے وسوسے کے شر سے) الْخَنَّاسِ: وہ

شیطان جو ہر انسان پر مقرر کیا گیا ہے، جسے قرآن و احادیث میں قرین کا نام دیا گیا ہے، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝﴾ (اور جو رحمٰن کی یاد سے غافل ہو ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ہمراہ ہوتا ہے)۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (تم میں سے ہر ایک کے ساتھ شیطان مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس پر مدد فرمائی ہے اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے، لہٰذا وہ مجھے صرف بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے)۔ حافظ ابو یعلیٰ انس بن مالک سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (شیطان انسان کے دل پر لگام ڈالے ہوئے ہے، جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جب ذکر سے غافل ہوتا ہے تو دل پر قبضہ جما لیتا ہے، اور یہی الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ہے)، چنانچہ خناس وہ شیطان ہے جو غیر محسوس طریقہ سے وسوسہ ڈالنے والا ہے۔

(الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ)(جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے)، وسوسہ سے مراد برا خیال جس کا مقصد بہکانا ہے۔ شیطان کی طرف سے لوگوں کے سینوں میں پیدا کیے جانے والے وسوسے مختلف انداز سے ہوتے ہیں، اللہ کی ذات کے بارے میں بہکانا اور بندوں کے حوالے سے بہکانا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کے بارے شک وشبہات پیدا کر کے شرک میں مبتلا کرنا، بندوں کے بارے ایک دوسرے کو بدگمانی جیسے برے خیالات میں مبتلا کر کے بہکانا اور تفرقہ بازی پیدا کرنا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا اُم المومنین صفیہ کے ساتھ دو صحابہ کا قصہ بیان ہوا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: (بے شک شیطان اِنسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے، اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمہارے دل میں کوئی غلط وسوسہ ڈال دے)، مزید شیطان کا وسوسہ یہ ہے کہ وہ برائی کو مزیّن کر کے پیش کرتا ہے، پھر اس کے ارتکاب پر اکساتا ہے، اور اس کے مدمقابل نیکی وبھلائی سے نفرت دلاتا اور اس سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہی اس کا وطیرہ رہتا ہے جب تک

انسان اللہ کے ذکر میں مشغول ہو کر اسے دور نہیں کر دیتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ﴾ (اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لے لیا کرو) ﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ﴾ (اور دعا کریں کہ اے میرے رب: میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ) (وہ جنوں اور انسانوں میں سے ہے)، یعنی وسوسہ اندازی کا یہ کام شیاطینِ جن بھی کرتے ہیں اور شیاطینِ انس بھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے جنوں اور انسانوں میں سے دشمن بنائے جو شیطان ایک دوسرے کی طرف وسوسہ ڈالتے)۔ مسند احمد، نسائی اور ابن حبان وغیرہ حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: (اے ابوذر: اللہ تعالیٰ سے انسانی اور جنی شیطانوں سے پناہ مانگو، ابوذر نے فرمایا: کیا انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں) انسانوں میں سے وہ شیطان ہیں جو مختلف انداز سے انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں، کبھی دین کا لبادہ اوڑھ کر شرک و بدعات کی تعلیم دیتے ہیں، تو کبھی ناصح، مشفق اور خیر خواہی کے روپ میں حرام خوری اور فحاشی وعریانی کی دعوت دیتے ہیں۔

سورۃ الفلق

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تو کہہ میں مخلوق کے رب کی پناہ پکڑتا ہوں۔ اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اور

اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔
اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

(قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) (کہہ دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں) اللہ تعالیٰ رب العزت تمام مخلوقات کا رب ہے، جبکہ یہاں اسے رب الفلق کہا گیا ہے، فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ اکثر مفسرین نے اس سے مراد رات کی تاریکی کو پھاڑ کر سپیدہ ءِ صبح کا نکالنا لیا ہے۔ تاکہ وہ آفات کے ہجوم کو چھانٹ کر میرے لیے عافیت پیدا کردے۔ (الفلق) کا دوسرا معنی تمام مخلوقات بھی ہے۔

(مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ) (تمام مخلوقات کے شر سے میں اس کی پناہ مانگتا ہوں)، اُن مخلوقات میں شیطان، انسان، جن، حیوان، حتیٰ کہ انسان کا نفسِ اَمارہ بھی ہے جو اسے برائی پر اکساتا ہے۔ شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں، اس کی مخلوقات کی طرف ہے اور مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں ترین استعاذۃ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ان کے خالق کی پناہ مانگی جائے۔ کیونکہ وہ اپنی مخلوق پر غالب ہونے کی وجہ سے پناہ دینے پر قادر ہے، اور ان کے شرور سے بھی واقف ہے۔

(وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ) (اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے) مخلوقات کے شر سے عموماً پناہ مانگنے کے بعد اب بعض خاص مخلوقات کے شر سے خصوصی پناہ مانگنے کی تلقین۔ غاسق کے لغوی معنی تاریکی کے ہیں۔ وقب: کے معنی چھا جانے کے ہیں۔ تاریکی کے شر سے پناہ مانگنے کی حکمت حدیث میں بیان ہوئی ہے: (جب سورج غروب ہو جائے تو شیاطین پھیل جاتے ہیں، لہٰذا اپنے بچوں کو گھروں میں سمیٹ لو اور اپنے جانوروں کو باندھ رکھو......)

(وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ) (اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے)، عُقَد جمع عُقْدۃ کی ہے، جس کے معنی گرہ کے ہیں۔ گرہ میں پھونکنے کا لفظ تمام مفسرین کے ہاں جادو کے لیے استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جادو کا واقعہ:

ے ہجری میں یہود کا ایک وفد مدینہ آیا اور لبید بن اعصم یہودی سے مطالبہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے خود جادو کیا تھا۔ اور بعض میں ہے کہ اس کی بہنوں نے آپ ﷺ کے بال مبارک اور کنگھی ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر ذروان نامی کنویں کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیے۔ اس جادو کا اثر صرف اس حد تک تھا کہ آپ کسی ذاتی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کر لیا ہے حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا۔ یہ اثرات صرف آپ کی ذات کی حد تک محدود تھے، حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ اور نہ ہی شریعت وعبادت کے حوالے سے اس کا کوئی اثر تھا۔ جادو کا اثر جسم اور ذہن پر ہوتا ہے جبکہ وحی کا تعلق روح سے ہوتا ہے، اس لیے وحی اور شریعت کے معاملات پر جادو کا اثر بالکل نہ تھا۔

یہ اثرات کچھ عرصہ تک رہے۔ ایک روز جبکہ آپ حضرت عائشہ کے پاس تھے آپ نے بار بار اللہ سے دعا مانگی اور سو گئے۔ بیدار ہونے پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں نے جو بات اپنے رب پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتا دی ہے۔ نیند کی حالت میں میرے پاس دو فرشتے آئے۔ ایک سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑے ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: انہیں کیا ہوا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا: ان پر جادو ہوا ہے۔ اور پھر جادو کرنے کی تفصیلات ذکر کیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علی حضرت عمار اور حضرت زبیر کو بھیجا، انہوں نے کنویں سے غلاف برآمد کیا، اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت میں گیارہ گرہیں دی ہوئیں تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ معوذتین پڑھتے جاتے جس سے گرہیں کھلتی جاتیں اور سوئیاں نکلتی جاتیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ جادو کے اثر سے ایسے نکلے جیسے کوئی شخص بندھا ہوتا ہے۔ لبید کو بلا کر باز پرس کی تو اس نے اعتراف کر لیا، اور آپ نے بغیر انتقام لیے اسے چھوڑ دیا۔

جادو حقیقت ہے یا وہم ہے؟ بعض لوگ اسے وہم قرار دیتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ اس

کے اثرات کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی جاسکتی، لیکن بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو مشاہدہ میں آتی ہیں لیکن انہیں سائنٹفک طریقہ سے بیان نہیں کیا سکتا۔ اور جادو کے اثرات سے جسم اور نفس دونوں ہی متاثر ہو سکتے ہیں۔ اکثر و بیشتر آنکھوں کی نظر وخیال کی حد تک ہوتا ہے، جیسا کہ فرعون کے جادوگروں کے بارے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾ (موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو سے یہ خیال ہونے لگا کہ رسیاں اور چھڑیاں بھاگ رہی ہیں)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ (ان (جادوگروں نے) لوگوں کی نظر بندی کر دی، اور ان پر ہیبت طاری کر دی)۔ جادو کے اثرات اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔

جادو کا اثر ختم کرنے کا طریقہ:

جادو کا جادو سے توڑ کرنا حرام ہے، البتہ جادو کو شرعی ادعیہ واذکار سے ختم کرنا جائز ہے، جیسا کہ سورہ بقرۃ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (لَا تَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ) یعنی باطل قوتیں اس سورت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں)۔ مزید فرمان ہے: (جس گھر میں سورت بقرۃ پڑھی جائے تین دن تک شیطان وہاں داخل نہیں ہوتا)۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید آیت الکرسی، آخری تینوں سورتیں، صبح وشام کے اذکار کا اہتمام کیا جائے اور گھر کو شیطانی آلات سے پاک کیا جائے۔

جادو کا حکم:

جادو سیکھنا، سیکھانا اور اس کا کرنا کفر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (سلیمان علیہ السلام نے تو کفر نہ کیا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

(وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ) (اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے) حسد کا مطلب کسی شخص کو اللہ کی دی ہوئی نعمت یا خوبی پر اس سے جلنا۔ حسد کرنے والوں میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنی بدنظری سے کسی کو نقصان پہنچائے، کیونکہ ایسی نظر کسی شر پسند

حاسد سے ہی صادر ہوتی ہے۔

اِن شرور سے بچنے کا یہ طریقہ ہے کہ: (۱) اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل اور اسی کی طرف اپنے معاملات کو سونپنا۔ (۲) ذکر واذکار اور صبح وشام کے ورد کرنا۔ (۳) قرآن کریم کی تلاوت خصوصاً تینوں قل۔ آیت الکرسی، سورۃ البقرۃ، سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کا کثرت سے اہتمام کرنا۔

تفسیر سورۃ الاخلاص

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔

وجہ تسمیہ:

ہر سورت کا نام اس میں مذکور ہوتا ہے، جبکہ اس سورت کا نام اس کے موضوع کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اس میں خالص توحید اور اللہ رب العزت کی صفت بیان کی گئی ہے جس لیے اسے سورۃ الاخلاص کا نام دیا گیا ہے، دوسرا یہ کہ جو شخص اس سورت کو عمل میں لاتے ہوئے اور اس میں بیان کردہ عقیدہ توحید کو اپناتے ہوئے تلاوت کرے تو اسے شرک سے خلاصی ہو جاتی ہے۔

فضیلت واہمیت:

بخاری ومسلم کی صحیح روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی (1/3) قرآن کے برابر ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ سورت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔ اس کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر ہی رسول اللہ ﷺ فجر ومغرب کی سنتوں، وتر اور طواف کی

رکعتوں میں اس سورت کے پڑھنے کا اہتمام کرتے۔ صحیح بخاری کی روایات میں ہے کہ بعض صحابہ جماعت کرواتے ہوئے اس سورت سے اپنی قراءت ختم کرتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں رحمان کی صفت بیان کی گئی ہے اس لیے مجھے اس کا پڑھنا محبوب ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُحِبُّهُ) اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے، اور دوسرے واقعہ میں آپ نے فرمایا: (حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ) تمہاری اس سورت سے محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا۔ اس فضیلت کا راز اس توحید میں ہے جو اس سورت کا موضوع اور لبّ لباب ہے، جس سے معلوم ہوا کہ توحید باری تعالیٰ ہی وہ عملِ جلیل ہے جس سے ہر اس چیز کی قدر و شان بڑھ جاتی ہے جو توحید پر مبنی ہو۔

زمانہ نزول:

مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ جب مشرکین نے آپ ﷺ سے آپ کے رب کے بارے سوال کیا۔

سبب نزول:

ترمذی اور مسند امام احمد میں مختلف صحابہ سے روایت ہے کہ مشرکینِ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں اپنے رب کا نسب بتائیے، جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اور ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس طرح کا سوال یہود ونصاریٰ نے آپ ﷺ سے کیا تھا۔

موضوع و مضمون:

جب رسول اللہ ﷺ توحید کی دعوت لے کر اٹھے اس وقت مشرکین جن بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ مختلف شخصیات کے بت تھے۔ ان کی باقاعدہ نسل چلتی تھی جس طرح ہمارے ہاں پیروں اور اولیاء کی نسلیں چلتی ہیں انہیں کھانے پینے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی تھی۔ یہود ونصاریٰ بھی اس طرح کے تصورات سے پاک نہ تھے۔ اس حالت میں جب اللہ وحدہ لا

شریک کو ماننے کی دعوت دی گئی تو مشرکین کے ذہن میں یہ سوالات پیدا ہوئے کہ وہ رب کس قسم کا ہے جسے تمام معبودوں کو چھوڑ کر تسلیم کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کا جواب چند الفاظ میں دے کر اللہ کی ہستی کا تصور واضح کیا جو تمام مشرکانہ تصورات سے مختلف تھا۔

آیات کی تفسیر:

لفظِ (قُلْ) (کہہ دیجیے) کے سب سے پہلے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے بعد ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے۔

(هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) (وہ اللہ یکتا ہے) یعنی جس اللہ کی عبادت کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہوں وہ وہی ہستی ہے جسے تم اللہ کے نام سے جانتے ہو۔ کیونکہ عربوں کے ہاں لفظ (اللہ) جانا پہچانا تھا۔ زمانہ قدیم سے وہ خالقِ کائنات کو اسی لفظ سے جانتے تھے۔ اپنے دوسرے معبودوں کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پہ اللہ تعالیٰ کے بارے یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے، (سورۃ یونس: ۳۱) میں ہے: ﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ﴾ (ان سے پوچھو، کون ہے جو تم کو آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے؟ سننے اور دیکھنے طاقتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ اور کون زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون اس نظامِ عالم کی تدبیر کرتا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ)۔ اسی طرح کا بیان سورت بنی اِسرائیل، مؤمنون، عنکبوت، زخرف وغیرہ میں ہے۔ اس جواب سے یہ مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ جسے تم ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق، مدبر ومنتظم مانتے ہو، اور سخت وقت آنے پر سب خداؤں کو بھول کر اسی کو پکارتے ہو، وہی میرا رب ہے اور اسی کی بندگی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں۔

لفظ (أَحَد) غیر اضافی طور پر صرف اللہ کی ذات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ ذات جس کے بارے تم سوال کرتے ہو وہ اللہ یکتا ویگانہ ہے، اس کا کوئی ثانی نہیں، جیسے تم اس بات

کا اقرار کرتے ہو کہ کسی دوسرے کا اس کی رُبوبیت میں کوئی حصہ نہیں، ایسے ہی اُلوہیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔

وہ اکیلا ہر چیز کا خالق و مالک و مدبر و منتظم ہے، نہ وہ کسی کا محتاج اور نہ ہی اس کا کوئی شریک وساجی ہے، وہی مختارِ کل ہے جس کے اختیارات میں کسی کا کوئی دخل نہیں، حتی کہ سرورِ کونین امام الانبیاء کو بھی فرما دیا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (اے محمد ﷺ) آپ کے اختیار میں کچھ نہیں) (آل عمران : 128) ،سورہ جن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا٥ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيْرَنِيْ مِنَ اللهِ أَحَداً وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ مُلْتَحَداً٥﴾ (کہہ دیجیے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان کا اختیار نہیں۔ کہہ دیجیے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ اگر جہانوں کے امام، نبیوں کے سردار کا اللہ کے اختیارات میں کچھ حصہ نہیں تو پھر دوسرا کون ہوگا جسے اس طرح اختیارات ہوں؟!!!۔ جو مختارِ کل، رب العالمین، احکم الحاکمین ہے وہی ہر طرح کی عبادتوں کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، مگر افسوس کہ آج مسجدیں خالی اور آستانے اور درگاہیں آباد ہیں، غیر اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر پکارا جاتا ہے، کائنات کی تدبیر اور موت وحیات کے اختیارات اللہ تعالیٰ سے چھین کر بندوں کے ہاتھ میں دے دیے گئے ہیں، بلکہ جنت وجہنم سے بھی اللہ تعالیٰ کو بے اختیار کر کے اسکی چابیاں پیروں ملاؤں کے ہاتھ میں تھما دی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

غیروں سے تجھے امیدیں اللہ سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی کہ اور کافری کیا ہے؟

(اَللّٰہُ الصَّمَدُ) (اللہ بے نیاز ہے) صمد کے معنی میں جامع ترین عبارت یہ ہے کہ: وہ ذات جو ہر طرح کی کامل صفات کی مالک ہے، اور تمام مخلوقات اس کی محتاج ہیں، صحابہ وتابعین سے اس لفظ کے بارے منقول تفاسیر کا خلاصہ یہ ہے: بلند مقام، بڑی ضخامت والا، ہر چیز سے بالاتر، وہ سردار جس کی اطاعت کی جاتی ہو، اور اس کے بغیر کسی کا فیصلہ نہ چلتا ہو، وہ ٹھوس چیز جس میں کوئی خول جھول نہ ہو، قابل تجزیہ وتقسیم نہیں، جو کھاتا پیتا نہ ہو، جو سب سے

بے نیاز ہو، اور سب اس کے محتاج ہوں۔

(لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ) (نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے) یہ مشرکین کے ان تصورات کا رد ہے جس میں وہ خیال کرتے تھے کہ خداؤں کی کوئی جنس ہوتی ہے۔ اور توالد و تناسل کا سلسلہ چلتا ہے، مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا، یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ ﴿إِنَّمَا اللهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اللہ تو صرف ایک ہی معبود ہے۔ وہ پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، ﴿أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ﴾ خبردار! یہ لوگ اللہ پر افتراء بازی کرتے ہوئے اسکی اولاد قرار دیتے ہیں اور بیشک یہ جھوٹے لوگ ہیں)، اللہ رب العزت کی کوئی اولاد اس لیے نہیں کہ (۱) اس کے مثل کوئی نہیں، جبکہ اولاد ماں باپ جیسی اور ان کا حصہ ہی ہوتی ہے، (۲) اولاد تعاون و مدد اور بقاء نسل جیسی حاجت وضرورت کے لیے ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور نہ اس کو کبھی زوال ہے۔

(وَلَمْ يُوْلَدْ) کیونکہ اللہ تعالیٰ (الأول) ہے جس سے قبل کچھ نہیں، تو وہ کیسے کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔

(وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ) (اور کوئی اسکا برابری کرنے والا نہیں) کُفُو کا استعمال: نظیر، مشابہ، ہم رتبہ، مساوی اور برابری کے لیے ہوا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ کائنات میں کوئی نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے جو اللہ کی مانند، اس کا ہم پلہ، یا اپنی صفات و اختیارات میں اس کا مشابہ ہو۔ صحیح بخاری میں حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، میں نے نہ تو کسی کو جنا ہے، اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں، اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے)۔ اور جب کائنات میں اس کی برابری کرنے والا کوئی نہیں تو اس سے بڑھ کر کیونکر ہو سکتا ہے؟

تفسیر سورۃ اللھب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا تھا۔ عنقریب وہ شعلے والی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

وجہ تسمیہ:

اس کا نام پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں لفظ (لَهَب) آیا ہے، اس کا دوسرا نام (الْمَسَد) ہے، جو اس سورت کا آخری لفظ ہے۔

زمانہ نزول:

اس کے مکی ہونے میں مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اس کے نزول کے وقت کی تعیین اگرچہ واضح نہیں، مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورت ان حالات میں نازل ہوئی جب ابولہب کی مخالفت حد سے گذر گئی تھی۔

موضوع و مضمون:

قرآنِ کریم کا یہ واحد مقام ہے جہاں دشمنانِ اسلام میں سے کسی شخص کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی ہے، اگرچہ نبی کریم ﷺ کے کئی دوسرے دشمن ابولہب سے کم نہ تھے، لیکن اِس کا بطور خاص نام لینے کی وجہ یہ ہے کہ عربی معاشرے میں صلہ رحمی کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور قطع رحمی بہت بڑا عیب سمجھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ قریش کے دوسرے تمام خاندانوں کی تو شدید مخالفت رہی، لیکن بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آپ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے باوجود

آپ کی حمایت کی، اس اخلاقی اصول کو جسے جاہلیت میں بھی لوگ واجب الاحترام سمجھتے تھے صرف ابولہب نے توڑا، جو کہ آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا، اور عرب میں چچا باپ کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔

بخاری ومسلم کی روایات میں ہے کہ جب آپ کو دعوتِ عام دینے کا حکم دیا گیا تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر (وَا صَبَاحَاہ)(ہائے صبح کی آفت) کی آواز لگائی، جو کسی بڑے پیش آنے والے خطرے کی آواز تھی، یہ سن کر قریش کے تمام خاندان آپ کی طرف دوڑے، جب سبھی جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کو تیار ہے تو تم میری بات سچ مانو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، ہمیں کبھی تم سے جھوٹ سننے کا تجربہ نہیں ہوا۔ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آرہا ہے۔ جس پر ابولہب نے کہا: (تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا؟) (تیرا ستیاناس ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا)۔

مزید یہ کہ ابولہب رسول اللہ ﷺ کا قریب ترین ہمسایہ تھا، اس کے علاوہ عقبہ بن ابی معیط اور حکم بن عاص بھی آپ کے ہمسائے تھے، اِن لوگوں نے آپ کو تنگ کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی، آپ کے گھر میں غلاظتیں پھینکتے، ابولہب کی بیوی اُم جمیل آپ کے دروازے پر کانٹے پھینک دیتی، حتی کہ آپ ﷺ اُن لوگوں سے فرماتے اے بنی عبدمناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟

نبوت سے قبل آپ دو کی بیٹیوں: رقیہ اور ام کلثوم کی شادی ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے طے ہو چکی تھی، جب آپ دعوت لے کر اٹھے تو ابولہب نے ان سے کہا کہ میرے لیے تم سے اس وقت تک ملنا حرام ہے جب تک تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو، چنانچہ انہوں نے انہیں طلاق دے دی، بلکہ عتیبہ تو جہالت میں اس قدر بڑھا کہ اس نے آپ ﷺ کے منہ پر تھوک دیا، جو آپ پر نہیں پڑا، اور آپ کی بدعا کی وجہ سے سفرِ شام کے دوران اسے شیر نے پھاڑ کھایا۔

ابولہب کی دشمنی کی انتہاء یہ تھی کہ جب آپ دعوت دینے کے لیے نکلتے تو یہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے رہتا تاکہ لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روکے، مسند احمد وغیرہ میں ربیعہ بن عباد الدیلی بیان کرتے ہیں کہ میں ذوالمجاز کے بازار میں اپنے باپ کے ساتھ، جہاں آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کہہ رہے تھے: لوگو: لا إله إلا اللّٰه کہہ دو فلاح پا جاؤ گے، اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص کہتا جارہا تھا: یہ جھوٹا ہے، دینِ آبائی سے پھرا ہوا ہے، اس کی بات نہ مانو۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ آپ کو پتھر مارتا حتیٰ کہ آپ کی ایڑیاں خون سے تر ہوگئیں، میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ان کا چچا ابولہب ہے، ابولہب کی انہیں حرکات کے پیش نظر یہ مکمل سورت اس کی مذمت میں نازل ہوئی، سورت کے نازل ہونے پر اُس نے غصہ سے اول فول بکنا شروع کر دیا تو لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں دیوانہ ہوا ہے، اس لیے اسکی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوگیا کہ آپ ﷺ دین کے معاملہ میں کسی کے ساتھ مداہنت برتنے والے نہیں تھے۔

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا، اسے ابولہب اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ سرخ وسفید شعلہ مارتا تھا، لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں۔

آیات کی تفسیر:

(تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ) (ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہوگیا)، یہ ایک پیشین گوئی ہے جسے ماضی کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے، جس میں اس کے یقینی ہونے کا معنی ہے، ہاتھ ٹوٹنے سے مراد جسمانی ہاتھ ٹوٹنا نہیں، بلکہ جس مقصد کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا اس میں مکمل طور پر ناکام ہوجانا ہے، چنانچہ ابولہب نے رسول اللہ ﷺ کی جس دعوت کو مٹانے کی پر زور کوششیں کیں تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بری طرح ناکام کیا۔ معرکہ بدر میں کفر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے، یہ خبر سن کر ابولہب کو بہت رنج ہوا، اور وہ عدسہ (Maliganant Pustule) کی بیماری میں مبتلا ہو کر عبرتناک طریقہ سے ہلاک ہوگیا۔

(مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ) (اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا) ابولہب زر پرست اور کثیر المال شخص تھا حتی کہ وہ قریش کے ان چار آدمیوں میں سے تھا جو ایک قنطار (تقریباً 7۔5 کلو) سونے کے مالک تھے، لیکن یہ مال اس کے ہرگز کام نہ آسکا، (وَمَا كَسَبَ) سے مراد اس کی اولاد ہے، جنہوں نے اسے بے کسی کی موت مرتے چھوڑ دیا، اور غلاموں کے ذریعہ اس کی لاش گڑھے میں پھینکوادی، اور دینِ اسلام قبول کر کے ابولہب کے دین کی جڑ کاٹ دی۔

(سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ) (ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا) یہ اس کی آخرت کا انجام ہے، جو اس کی کفر پر موت اور جہنمی ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) (اور (اس کے ساتھ) اس کی بیوی بھی ، لگائی بجھائی کرنے والی) اس عورت کا نام اَرویٰ اور اسکی کنیت ام جمیل تھی، جو اسلام دشمنی میں اپنے شوہر کے شانہ بشانہ تھی۔ جب اس نے یہ سورت سنی تو بپھری ہوئی مٹھی میں پتھر لیے نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکلی، حرم پہنچی تو وہاں آپ ﷺ ابوبکرؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ وہاں آکر ابوبکرؓ سے کہنے لگی: میں نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو (توہین) کی ہے، ابوبکرؓ نے فرمایا: اس گھر کے رب کی قسم، انہوں نے تمہاری کوئی ہجو نہیں کی۔ آپ ﷺ کو دیکھے بغیر واپس چلی گئی۔

(حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) مفسرین نے اس کے متعدد معانی بیان کیے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا کہنا ہے کہ: وہ راتوں کو خاردار ٹہنیاں لا کر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر ڈالتی تھی، بعض کا کہنا ہے کہ چغلیاں کھاتی پھرتی تھی، بعض کا کہنا ہے کہ جہنم میں ابولہب پر آگ تیز کرنے کے لیے لکڑیاں ڈالے گی۔

(فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ) (اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی) جید عربی میں ایسی گردن کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں زیور پہنا گیا ہو، اور یہ عورت اپنی گردن میں

بہت قیمتی ہار پہنتی تھی اور قسم کھاتی کہ اسے بیچ کر محمد کی عداوت میں استعمال کروں گی، تو یہاں جید کا لفظ بطور طنز استعمال کیا گیا ہے، کہ اس کی اس مزیّن گردن میں دوزخ میں مونجھ کی رسّی پڑی ہوگی، جس میں اس کی توہین اور عذاب دونوں ہی ہیں۔

سورۃ اللھب کا اہم ترین سبق:

عصرِ نبوت میں ہمارے سامنے دو شخص اور ان کا کردار ہے، ایک طرف مذکورہ سورت میں ابولہب، جو کہ نہ صرف یہ کہ وہ قریشی ہاشمی، اہلِ مکہ کے سرداروں میں سے ایک مالدار شخص تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا، آپ کا ہمسایہ، اور آپ کی دو بیٹیوں کا سسر بھی تھا، خوبصورتی وحسن و جمال میں اس کا رنگ سرخ وسفید شعلہ مارتا تھا، لیکن جب ایمان وہدایت اور تقوی وطاعت سے بہرہ ور نہ ہوا تو اس کا حسب ونسب، مال وزر اور سرداری ہرگز کام نہ آئی، بلکہ اس کی مذمت کرتے ہوئے قرآن میں ایک مکمل سورت نازل ہوگئی، وہ رہتی دنیا بلکہ آخرت میں بھی ذلت وخواری کی مثال بن گیا، دوسری شخصیت: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ہے، جو سیاہ فام، موٹے موٹے نقوش کے حبشی النسب، زرخرید غلام تھے، کسمپرسی کی یہ حالت کہ گلے میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں میں گھسیٹے جاتے، دھکتے انگاروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، لیکن جب یہ سینہ ایمان وتوحید اور تقوی وطاعت سے مزیّن تھا تو زمین پر چلنے والے بلال کے قدموں کی آہٹ جنت میں سنائی دیتی تھی، وہ ہستی جس کی جنت شدت سے منتظر تھی وہ بلال تھے۔ مکہ فتح ہوتا ہے تو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر کلمہ توحید بلند کرنے والے بھی بلال تھے، کعبہ کے آس پاس معبودانِ کفر کو نیست ونابود کرنے والے بلال ہی تھے۔ اس سورت سے حاصل ہونے والا اہم ترین سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری وفضیلت کا معیار ایمان وتقوی ہے، نہ کہ حسب ونسب یا مال و جمال، کیونکہ یہ تو وہ چیزیں ہیں جو محض عطاء خداوندی ہیں، کسی انسان کا ان میں کوئی کسب واختیار نہیں۔

تفسیر سورۃ النصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس سے بخشش مانگ، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

نام:

سورت کی پہلی آیت میں مذکور لفظ (نصر) سے لیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے، اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، یعنی اس سورت کے بعد صرف بعض آیات نازل ہوئیں، سنن ترمذی وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے درمیان منیٰ میں نازل ہوئی، جبکہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

موضوع و مضمون:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرمایا ہے کہ جب مکہ فتح ہو جائے، اور لوگ دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگیں تو اس کا یہ معنی ہے کہ جس مقصد کے لیے آپ ﷺ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکمل ہو چکا، چنانچہ اپنے مقصد کے اختتام پہنچنے پر اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں اور آخرت کی تیاری کرتے ہوئے استغفار کریں۔ اس بات کی وضاحت صحیح

بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے بڑے بڑے شیوخ کی مجلس میں بلاتے تھے، جس پر بعض بزرگوں کو ناگواری گزری اور کہا کہ ہمارے لڑکے بھی تو اسی لڑکے جیسے ہیں، تو اس کو خاص طور پر کیوں ہمارے ساتھ مجلس میں شریک کیا جاتا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ علم کے لحاظ سے اس کو جو مقام حاصل ہے وہ آپ نہیں جانتے۔ پھر ایک روز انہوں نے شیوخ بدر کو بلا بھیجا اور مجھے بھی بلا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ آج مجھے اس مجلس میں شرکت کی وجہ دکھانے کے لیے بلایا گیا ہے، دورانِ گفتگو حضرت عمرؓ نے شیوخِ بدر سے پوچھا کہ آپ حضرات ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ کے بارے کیا جانتے ہیں؟ بعض نے کہا کہ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت آ جائے اور ہم کو فتح نصیب ہو تو ہم اللہ کی حمد اور اس سے استغفار کریں۔ بعض نے اس سے شہروں اور قلعوں کی فتح بیان فرمائی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن عباس، کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی ہے کہ جب اللہ کی نصرت آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا وقت قریب آ پہنچا، لہٰذا آپ اللہ کی حمد و استغفار کریں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

یہاں قابلِ غور چیز یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور کسی عام دنیوی رہنما کے درمیان کتنا عظیم فرق ہے۔ دنیوی رہنما اگر اپنی زندگی میں ہی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس خوشی کا اظہار جشن منا کر اور اپنی قیادت پر فخر کر کے کرتا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ (۲۳) سال کی انتھک محنتوں اور مشقتوں میں قوم کے عقائد و افکار، عادات و اخلاق، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت کو بالکل بدل کر کسی جشن منانے کی بجائے پوری عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا اور استغفار کرتے ہیں، بخاری و مسلم میں عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات سے پہلے رکوع و سجدہ میں بکثرت (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ۔

أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ) پڑھا کرتے تھے، یہ قرآن (سورہ نصر) کی تاویل تھی جو آپ نے فرمائی تھی۔ لہٰذا رکوع وسجود میں یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ عبادت وریاضت کرنے میں اس قدر مشغول ہو گئے جس قدر اس سے قبل نہ تھے۔

آیات کی تفسیر:

(إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ) (جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے) بعض مفسرین نے فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے، کیونکہ اس فتح کے بعد مشرکین عرب کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اور آپ ﷺ کی دعوت ودینِ اسلام کے ختم ہو جانے کی امیدیں ختم ہو گئیں۔ مزید یہ کہ بہت سے عربوں کی نظریں مکہ مکرمہ پر تھیں کہ اگر تو یہ شہر مسلمانوں کے زیرنگیں ہو جاتا ہے تو یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، مکہ فتح ہونے کے بعد ان لوگوں کے اسلام سے متعلقہ شکوک وشبہات دور ہو گئے اور وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد وہ فیصلہ کن فتح لی ہے جس کے بعد ملک میں کوئی طاقت اسلام سے ٹکر لینے کے لیے باقی نہ رہی، اور دینِ اسلام جزیرۃ العرب میں غالب ہو گیا۔ دونوں معنی وجیہ اور صحیح ہیں۔

(وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا) (اور تم لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھو) ، کبھی وہ زمانہ تھا کہ لوگ ایک ایک دو دو کر کے اسلام میں داخل ہوتے تھے، لیکن فتح مکہ کے بعد پورے پورے قبیلے، اور خاندانوں کے خاندان مسلمان ہونے لگے، اسی لیے (۹ھ) کو عام الوفود کہا جاتا ہے، اور (۱۰ھ) تک پورا عرب اسلام کے زیرنگیں ہو چکا تھا۔

(فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا) (تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے)، تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کو ہر لحاظ سے اور ہر ایسی چیز سے پاک ومنزّہ قرار دینا ہے جو اللہ

تعالیٰ کی ذات کے لائق نہ ہو، یا اس کی صفات میں کسی نقص وکمزوری پر دلالت کرتی ہو، اور اللہ تعالیٰ کو ہر اس عیب سے پاک قرار دینا جو کافر ومشرک اللہ تعالیٰ کے بارے میں تصور رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے سے یہ مراد ہے کہ اسے ہر عیب وبرائی سے پاک قرار دینا، اور اس کے لیے صفاتِ کاملہ ثابت کرنا ہے۔ تسبیح وتنزیہ تعظیم کا تقاضا کرتی ہے، اور تعظیم کا تقاضا ہے کہ اس کی حمد وثنا بیان کی جائے، چنانچہ لفظ تسبیح میں: پاکیزگی، تعریف، بڑائی اور توحید سبھی پر شامل ہے۔ (مجموع الفتاوی (125/16)

(حمد) سے مراد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی تعریف وثنا بیان کرنا ہے۔ جس میں آپ ﷺ کو اس بات کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ غلبہ اسلام کی اس عظیم کامیابی کے متعلق تمہارے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ تمہارے اپنے کمال کا نتیجہ ہے، بلکہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان سمجھو، اور اس پر اس کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ کام کسی اور سے بھی لے سکتا تھا۔ اس کا احسان ہے کہ اس نے یہ خدمت آپ ﷺ سے لی، اور آپ ﷺ کے ہاتھوں اس دین کا غلبہ کیا۔ جس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر اللہ رب العزت کسی شخص کو اپنے دین کے لیے اختیار کرتا ہے اور اس سے دین کا کام لیتا ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا اس پر انعام ہے، نہ کہ اس شخص کا دین پر کوئی احسان ہے ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيْمَانِ﴾ (بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان کرتا ہے کہ جو تمہیں ایمان کی ہدایت دی)۔

﴿وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ استغفار کے معنی مغفرت یعنی بخشش طلب کرنا ہے، اور بخشش اس وقت طلب کی جاتی ہے جب کوئی غلطی سرزد ہو جائے۔ دعوتِ دین کی تکمیل اور غلبہ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے پر نبی کریم ﷺ کو استغفار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ منصب دعوت ورسالت میں جو بھول چوک یا کمی وکمزوری رہ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر چشم پوشی اور درگزر فرمائے۔ جب یہ ادب رسول اللہ ﷺ کو سکھایا جا رہا ہے، جنہوں نے دینِ حق کی خاطر اپنا جان ومال اور لیل ونہار ہر چیز صرف کر دی: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ (اے کپڑا

اوڑھنے والے۔ اٹھو اور (عذاب الٰہی) سے ڈراؤ) کا حکم ملنے سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک مسلسل اور عمل پیہم رہا۔ جس میں ایک مسلمان کے لیے اس بات کا سبق ہے کہ خواہ اس نے کتنی ہی قربانیاں دی ہوں، اور دین کی کتنی بڑی ہی خدمات سر انجام دی ہوں، عبادت وریاضت میں جس قدر بھی جانفشانیاں ہوں، بلکہ اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں لٹا دینے کے بعد یہی سمجھے کہ: (حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق اس سے بہت بالاتر ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کر سکے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا)، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! حتی کہ آپ بھی؟ آپ نے فرمایا: (ہاں! میں بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت کی نوازشیں کر دے)

دینِ اسلام کا یہ ادب ہمیں مختلف عبادات کے اختتام پر سکھایا گیا ہے: چنانچہ نماز سے سلام پھیر کر تین بار (أستغفر اللہ) کہنا سنت ہے، تاکہ نماز کے عمل میں کمی کوتاہی کا ازالہ ہو جائے، حج جیسی عبادتِ جلیلہ کر کے بکثرت ذکر واستغفار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ اس میں پیدا ہو جانے والے خلل ونقص کو پورا کیا جا سکے، یہی حکم روزوں اور دوسری عبادتوں میں ہے۔

اس ادب میں مزید جس بات کی تعلیم ہے وہ یہ کہ زندگی کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، وتسبیح وتہلیل اور توبہ واستغفار کا کثرت سے اہتمام کیا جائے۔

تفسیر سورۃ الکافرون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

کہہ دے اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم نے کی۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔

وجہ تسمیہ:

پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں لفظ (کافرون) آیا ہے۔

زمانہ نزول:

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورت ہے، اس کا مضمون بھی مکی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

فضیلت واہمیت:

یہ سورت شرک سے براءت وبیزاری ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ فجر ومغرب کی سنتوں، وتر اور طواف کی پہلی رکعت میں یہ سورت کا اعلان اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص کے پڑھنے کا اہتمام کرتے۔ نیز رات کو سوتے ہوئے بھی اسے پڑھتے اور اس کی فضیلت کے بارے فرمایا: (یہ سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے) جیسا کہ حضرت معاذ، خباب، ابن عباس وغیرہ کی صحیح احادیث میں ہے۔

موضوع ومضمون:

کفارِ قریش آپ ﷺ سے مصالحت کے لیے وقتاً فوقتاً آپ کو تجویز پیش کرتے رہتے کہ آپ ان کی بات قبول کر کے حق وباطل کا نزاع ختم کر دیں، ان تجویزوں میں یہ بھی تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کر لیں اور دوسرے سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کر لیا کریں گے، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ اس طرح کی تجویزیں مختلف اوقات میں پیش ہوتی رہتیں، جس کا تقاضا یہ تھا کہ ایک دفعہ دوٹوک جواب دے کر ان کی اس طرح کی امیدیں ختم کر دی جائیں۔

چنانچہ یہ سورت کسی طرح کی مذہبی رواداری اور مداہنت کی تلقین نہیں کرتی، جیسا کہ آج

کل بعض روشن خیالوں کا تصور ہے۔ بلکہ کفار اور کفر کے معبودوں سے قطعی براءت و بیزاری کا اعلان ہے کفر و اسلام دو الگ الگ نظریات ہیں جو باہم اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ قیامت تک کے مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ دینِ کفر جہاں اور جس شکل میں بھی ہو اس سے قول و عمل میں براءت کرنا چاہیے، اور کفر و شرک سے یہ براءت ، ایمان کی بنیاد اور کلمہ توحید (لا اِلٰہ اِلا اللہ) کا پہلا حصہ ہے، جس کا بیان رب العزت نے اس انداز سے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلاً أَنِ اعْبُدُوْا اللهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ﴾ (اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (غیر اللہ) سے بچو)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ طاغوت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، جو کہ ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ ہر وہ چیز طاغوت ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت، اطاعت، یا اتباع کی جاتی ہو۔

تفسیر:

(قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ) (کہہ دو کہ اے کافرو) یہ خطاب جیسے رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے ایسے ہی ہر مسلمان کے لیے ہے کہ وہ دینِ کفر اور کفار سے براءت کا اعلان کرے۔ کفر کا لفظی معنی انکار کرنے اور نہ ماننے کے ہیں، اور مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی وحی کا انکار کیا۔ کفر کا لفظ شرک سے زیادہ عام ہے، جس میں کمیونسٹ و ملحد وغیرہ سب غیر مسلم شامل ہیں۔

(لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ) (میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو) اس میں وہ تمام معبود شامل ہیں جن کی دنیا میں کہیں بھی کافر و مشرک عبادت کرتے رہے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات بھی شامل ہے، لیکن چونکہ مشرکین اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے، اس لیے اُن کی اس عبادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ توحید پرست لوگ ایسی عبادت سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلاَّ لِيَعْبُدُوْا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾، اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ایمان جب تک اللہ کے لیے خالص نہ ہو وہ غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے: (جس نے اپنے عمل میں

میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا تو میں اسے اور اسکے اس شرک کو ترک کر دیتا ہوں۔

(وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ) (اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں) یعنی جن صفات سے متصف معبود کی میں عبادت کرتا ہوں تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے اُس معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو۔ جو ہر عیب، کمزوری، نقص، اور غلطی سے پاک ہے، جس کی ذات وصفات اور اختیارات میں کوئی شریک نہیں۔ جو دعائیں سنتا ہے، نفع ونقصان اور قسمتوں کے بناؤ و بگاڑ کا وہی تنہا مالک ہے۔ جبکہ تمہارے خیال میں اس کی صفات واختیارات اور حاجت روائی ومشکل کشائی میں اور بھی شریک ہیں اور نفع ونقصان کے دوسرے بھی مالک ہیں۔

(وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ) (اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے) آیت نمبر (۲) میں اس بات کا بیان تھا کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جسکی تم اب عبادت کرتے ہو یا آئندہ کرو گے۔ جبکہ اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ میں اس کی عبادت نہیں کروں گا جسکی تم عبادت کرتے رہے ہو۔ کیونکہ کافروں کے معبودوں میں ہمیشہ ردو بدل اور حذف واضافہ ہوتا رہتا ہے۔

(وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ) (اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں) یہاں وہی الفاظ دہرائے گئے ہیں جو آیت نمبر (۳) میں ہیں۔ بعض مفسرین کے ہاں یہ الفاظ دہرانے کا مقصد تاکید کرنا ہے، مزید یہ کہ اہلِ ایمان کا معبود ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ جو اول وآخر تک ہے، اس لیے اس معبود سے متعلقہ جملہ انہی الفاظ سے دہرایا گیا۔

(لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ) (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) یعنی میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا اور تم میرے معبود کی، لہٰذا ہمارا دین ایک دوسرے سے الگ ہے، میں تمہارے دین سے بری ہوں، اور تم میرے دین سے بری ہو، چنانچہ اس آیت میں کسی مذہبی رواداری کا پیغام نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے کفر اور کفار سے براءت و بیزاری کا

اعلان ہے ، اسی طرح کا مضمون سورۃ قصص میں ان الفاظ سے آیا ہے: ﴿لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ (ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل)، جس سے دوسروں کے عمل کو سہارا بنانے اور پیرزادگی ،سیّد زادگی کی جڑ کٹتی ہے، کہ ہر انسان کا عمل اس کے ساتھ ہے، نیکی کا اجر اس کے لیے ، اور برائی کا وبال اسی پر ہے، اولادوں یا آنے والی نسلوں کا اس میں کچھ حصہ نہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ ؓ کو فرمایا: (اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! عمل کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا ، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! عمل کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا ، اے رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس! عمل کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

مزید اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَهُ﴾ (اے مسلمانو) تمہارے لیے اِبراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی (مشرک) قوم سے کہا: ہم تم سے بری ہیں اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہمارا تم سے بائیکاٹ ہے، اور ہماری تم سے کھلم کھلا دشمنی ہے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

تفسیر سورۃ الکوثر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ② اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

بلاشبہ ہم نے تجھے کوثر عطا کی۔ پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ یقیناً تیرا دشمن ہی لا ولد ہے۔

وجہ تسمیہ:

اس کا نام پہلی آیت میں لفظ کوثر سے لیا گیا ہے، اس کا دوسرا نام: سورۃ النحر بھی ہے۔

زمانہ نزول:

جمہور مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہی قول ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر اور حضرت عائشہ کا ہے۔ حسن بصری اور بعض دوسرے مفسرین اسے مدنی قرار دیتے ہیں، جس کی دلیل صحیح مسلم میں انسؓ بن مالک کی وہ حدیث ہے جس میں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے کہ آپ پر اونگھ طاری ہوئی۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: اس وقت میرے اوپر ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی۔ ان دونوں اقوال کی یہ توجیہ ہے کہ کئی ایک سورتیں ایسی ہیں جو اگرچہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، لیکن مدینہ منورہ میں کسی مناسبت پر اسے دوبارہ نازل کیا گیا، یا اسی کی طرف توجہ دلائی گئی، لیکن اصل نزول مکہ میں ہی ہے۔

تاریخی پس منظر:

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے خلاف دشمنی انتہاء کو پہنچ چکی، اور انہیں شدید مشکلات کا سامنا تھا، اس کے علاوہ کسی خاطر خواہ کامیابی کے آثار بھی نظر نہیں آتے تھے۔ اس طرح کے پرآشوب حالات میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دینے کے لیے وقتاً فوقتاً ایسی سورتیں اور آیات نازل فرماتا رہتا تھا جن میں آپ ﷺ کو حوصلہ دینا اور ہمت بندھانا مقصود تھا، ایسے ہی حالات میں سورہ الضحیٰ، سورہ الم نشرح اور سورہ الکوثر نازل ہوئیں۔ کفارِ قریش کا پروپیگنڈا تھا کہ (بَتَرَ مُحَمَّدٌ مِنَّا) محمد (ﷺ) ساری قوم سے کٹ کر بے سہارا و بے یارومددگار ہو گئے ہیں، مزید یہ کہ آپ ﷺ کے بیٹے قاسم کے بعد دوسرے بیٹے عبداللہ کی وفات ہوئی تو ابوجہل، ابولہب اور بعض دوسرے مشرکین نے کہا: محمد ابتر ہے، یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں جو اس کا قائم مقام بنے، جب یہ مر جائیں گے تو دنیا سے اس کا نام بھی مٹ جائے

گا۔تو اِن پریشان کن حالات میں اس سورت میں آپ ﷺ کو الکوثر کی خوشخبری دینے کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی سنایا گیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والوں کی ہی جڑ کٹنے والی ہے۔

تفسیر:

(اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ) (ہم نے تمہیں الکوثر عطا کیا) الکوثر سے مراد (الخَیْرُ الْكَثِیر) بے انتہا خیر وبھلائی اور دنیا وآخرت کی نعمتوں کی کثرت ہے، جس میں نبوت و رسالت، علم وحکمت، توحید وایمان اور اخلاق وکردار کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جو آپ کو عطا کی گئیں، اسلام کے اس عالم گیر دین کی نعمت جسے رہتی دنیا کے لیے پوری روے زمین پر پھیلنا اور غالب آنا تھا، جس دینِ حق کا غلبہ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی دیکھ لیا، اور آپ ﷺ کے ہاتھوں وہ جماعت تیار ہوئی جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، اولادِ نرینہ کی وفات پر دشمن تو سمجھتے تھے کہ آپ کا نام ونشان مٹ جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام اور ذکر کچھ اس انداز سے بلند کیا کہ اسے قیامت تک کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں بلند ہوتے رہنا ہے، آپ ﷺ کو وہ روحانی اولاد عطا کی جس نے روئے زمین پر آپ کا نام روشن کر دیا، بلکہ آپ ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی فاطمہ ؓ سے جسمانی اولاد کا بھی ایسا سلسلہ چلایا کہ وہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔

ان دنیوی نعمتوں کے علاوہ آخرت کی بے بہا اور حقیقی ودائمی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو عطا فرمانے والے ہیں، جن کا وعدہ ان الفاظ سے کیا ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی . وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی﴾ (یقیناً تمہارے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ اور تمہارا رب تمہیں بہت انعام دے گا حتی کہ آپ خوش ہو جاؤ گے)، انہیں نعمتوں میں سے مقامِ محمود (شفاعتِ کبریٰ)، لواء الحمد (اللہ کی تعریفوں کا وہ جھنڈا جس کے نیچے تمام انبیاء ہوں گے)، سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلنا، جنت میں سب سے اعلیٰ مقام الوسیلہ والفضیلۃ پا لینے کے علاوہ حوضِ کوثر اور نہرِ کوثر ہے جس کے متعلق (۵۰) سے زیادہ صحابہ سے مروی متواتر و بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ صحیح بخاری ومسلم کی مختلف

احادیث میں ہے کہ یہ حوض روزِ قیامت اس وقت آپ کو عطا ہوگا جب ہر شخص پیاس سے نڈھال ہو رہا ہوگا۔ آپ اس حوض پر سب سے پہلے پہنچیں گے اور اپنے دستِ مبارک سے قرآن وسنت کی اتباع کرنے والوں کو پانی پلائیں گے۔ ایک بار اس کا پانی پینے کے بعد کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اس حوض کی وسعت اَیلہ (فلسطین کی بندرگاہ) سے عدن (جنوبی یمن کی بندرگاہ) تک ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، اس کی تہہ کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی، اس کے جام آسمان کے ستاروں کی مانند بکثرت ہوں گے اور اسے جنت کی نہرِ کوثر سے سیراب کیا جائے گا، جو نہر معراج کی رات آپ کو دکھائی گئی، اس کے کناروں پر تراشے ہوئے ہیروں موتیوں کے قبّے بنے ہوئے تھے۔

دین میں نئے کام (بدعات) ایجاد کرنے والوں کے لیے لمحہ فکر:

بخاری ومسلم کی متعدد روایات میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے اپنی امت کے لوگوں کو پانی پلا رہے ہوں گے، آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگوں کو حوض سے ہٹایا جا رہا ہے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: یہ میری امت کے لوگ ہیں، انہیں آنے دو۔ تو آپ ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں تو آپ بھی فرمائیں گے: میرے بعد دین بدلنے والوں کو دفع کر دو۔

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو)، نماز سے مراد ہر نماز ہے، اور خصوصاً پنجگانہ فرض نمازیں ہیں، اور (نحر) سے مراد ذبح کرنا ہے، حضرت علیؓ اور بعض سلف صالحین کا فرمان ہے کہ اس سے مراد: نماز میں دائیاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھنا ہے۔ کیونکہ لغت عربی میں (نحر) سینہ کو کہتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ سینے پر رکھو۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ: اس سے مراد: بقرعید کی نماز پڑھنا اور اس کے بعد قربانی کرنا ہے۔ یہ سبھی اقوال بجا اور صحیح ہیں۔ مزید یہ کہ سورت کے سیاق وسباق سے اس آیت کی مناسبت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا وآخرت کی خیر وبھلائیاں عطا فرمائیں، تو حکم ملا کہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی کے لیے نماز

پڑھو اور اسی کے لیے قربانی کرو۔ مشرکین کے برعکس جو اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے اور انہی کے لیے ذبح کرتے اور بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ سورۃ انعام میں اسی بات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اُس اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔

درسِ توحید:

سورۃ الکوثر اور اَنعام کی دونوں آیتوں میں جس بات کی بنیادی طور پر تعلیم دی جارہی ہے وہ: عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنا ہے، جس میں کسی کا عمل دخل نہ ہو۔ شرک ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ جس کے ساتھ ہر عمل برباد ہو جاتا ہے۔ نماز کے ساتھ ہی ذبح کا حکم دے کر یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح نماز صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ کسی غیر اللہ کے لیے نماز پڑھنا شرک ہے، اسی طرح ذبح بھی صرف اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا بھی شرکِ اکبر ہے، صحیح مسلم میں سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں: (اللہ کی لعنت ہو ایسے شخص پر جو غیر اللہ کے لیے (یا اس کے نام پر) ذبح کرتا ہے)، اور مسند احمد کی صحیح حدیث میں آپ نے ایسے شخص کے بارے ذکر فرمایا جو صرف ایک مکھی غیر اللہ کے لیے نذرانہ چڑھانے کی وجہ سے جہنم واصل ہو گیا، جس میں: آستانوں، درگاہوں، جنات وغیرہ: غیر اللہ کے نام پر یا اُن کے لیے ذبح کرنے والوں کے لیے مقامِ عبرت ہے، اِن احادیث سے وہ اپنا انجام بھی معلوم کر لیں۔

(اِنَّ شَانِئَكَ) (بے شک تمہارا دشمن) لفظ (شَانِء) انتہائی بغض وعداوت اور دشمنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اس طرح سے آیا ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَئَانُ قَوْمٍ عَلَى أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا﴾ (کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر امادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔

﴿هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (وہی جڑ کٹا ہے) (ابتر) کا مفہوم بہت وسیع ہے، ایک حدیث میں ہے: (ہر اہمیت رکھنے والا کام اگر اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے تو وہ ابتر ہے) یعنی اس میں کوئی خیر نہیں، ذرائع و وسائل سے محروم اور نامراد آدمی کو بھی ابتر کہا جاتا ہے، بے یارو مددگار شخص کو بھی ابتر کہا جاتا ہے، جس آدمی کی کوئی اولاد نرینہ نہ ہو یا باقی نہ رہی ہو تو اس کے لیے بھی ابتر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسل باقی نہیں رہتی اور ایک وقت کے بعد اس کا نام دنیا سے ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح کے معانی میں کفارِ قریش آپ ﷺ کے لیے ابتر کا لفظ استعمال کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابتر آپ نہیں ہو بلکہ آپ کے یہ دشمن ہی ابتر ہونے والے ہیں۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ پورے عرب میں یہ نامور لوگ، جو کعبہ کے متولی، حج کی سرپرستی کرنے والے، جن کی مال و دولت کے چرچے تھے، ہر جگہ ان کے اعوان و انصار، جنگ خندق سنہ (5ھ) میں یہودیوں اور مختلف قبائل عرب سے (10) ہزار کا جم غفیر لا کر مدینہ کا محاصرہ کرنے والے ایسے ابتر ہوئے کہ فتح مکہ (8ھ) میں ان کا کوئی یارو مددگار نہ تھا، بے بسی کی حالت میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے، ربِ ذوالجلال کی یہ پیشین گوئی صرف چند سال میں ہی اس طرح پوری ہوئی کہ:

(1) ملتِ ابوجہل نیست و نابود ہو گئی، وہ ایسے بے نام و نشان ہوئے کہ دنیا میں اُن کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہا، اُن کی اولاد میں سے جو زندہ بھی رہے وہ اپنی نسبت اسلافِ کفر سے کرنے کو تیار نہ تھے، لہٰذا کسی کو ابوجہلی یا ابولہبی کی نسبت سے نہ دیکھ پائیں گے، جبکہ ملتِ رسولِ ہاشمی زندہ و پائندہ ہے، آپ ﷺ کی آلِ مطہرہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہے، جن پر درود و سلام بھیجنا ہر مسلمان کے دینی شعائر میں سے ہے، نہ کہ صرف آپ ﷺ بلکہ آپ کے صحابہ سے انتساب کو بھی باعث سعادت و شرف سمجھتے ہوئے: ہاشمی، علوی، حسینی، عباسی اور صدیقی کہلاتے ہیں۔ (2) ابوجہل کا دینِ کفر بھی مٹ گیا، پورا جزیرہ عرب آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی دینِ اسلام میں داخل ہو گیا کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک اسلام کے جیالے چین و فرانس کو اسلام کا پیغام سنا رہے تھے، جس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ: ﴿هُوَ الَّذِيْ

أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ﴾ (اسی (اللہ کی) ذات نے اپنے رسول کو ہدایت و دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے)، اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی (روئے زمین پر کوئی مٹی پتھر کا گھر ہو یا خیمے کا، مگر کلمہ اسلام اس میں ضرور داخل ہو کر رہے گا) حقیقت بن گئی۔

تفسیر سورۃ الماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۞ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۞ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۞ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۞

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو جزا کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ:

اس سورت کو سورۃ الدین، سورۃ أرأیت، اور سورۃ الیتیم بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام سورت کے آخری لفظ (الماعون) سے لیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

اس کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کے موضوع کے اعتبار سے اس کے مدنی ہونے کی ترجیح کی ہے، کیونکہ اس میں ان منافقین کا ذکر آیا ہے جو نمازیں دکھلاوے ریاکاری کے لیے ادا کرتے تھے، اور یہ صورتِ حال صرف مدینہ منورۃ میں پیش آئی۔ مکہ مکرمہ میں تو مسلمانوں کو نمازیں چھپ چھپا کر پڑھنا پڑتی

تھیں۔لیکن یہ بات اس کے مدنی ہونے کی کوئی حتمی دلیل نہیں ، کیونکہ کسی آیت کا نزول مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے بیان میں بھی ہوسکتا ہے۔جیسا کہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں موجود ہے۔

موضوع ولبِّ لباب:

اس سورت میں دو گروہوں کا بیان ہوا ہے: سورت کی ابتداء میں اُن کفار کا بیان ہے جو علانیۃً آخرت کو جھٹلاتے ہیں، اور آخری چار آیتوں میں اُن منافقین کا بیان ہے جو آخرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے کسی ثواب وعقاب کا تصور نہیں رکھتے۔جس سے معلوم ہوا کہ روزِ قیامت اور جزاوسزا کا عقیدہ انسان میں مضبوط اور پاکیزہ کردار پیدا کرتا ہے۔آخرت پر ایمان نہ لانے سے انسان میں کس طرح کی دینی واخلاقی برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

تفسیر:

(أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ) یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر قرآن کی تلاوت کرنے اور سننے والے کے لیے۔

سوال تعجب کے انداز میں ہے۔جس کا مقصد پڑھنے اور سننے والے کو اس بات پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے کہ آخرت کی جزاوسزا کا انکار آدمی میں کس قسم کا کردار پیدا کرتا ہے، اور اس عقیدے کو جھٹلانے والے کیسے لوگ ہوتے ہیں، تاکہ وہ ایمان بالآخرۃ کی اخلاقی اہمیت سمجھنے کی کوشش کرے۔

ابتدائی آیات میں رؤیت کا تعلق علم ومعرفت کے معنی سے ہے، جس کا مطلب سمجھنا اور غور کرنا ہے، اور معنی یہ کہ تم نے غور کیا اس شخص کے حال پر جو جزائے اعمال کی تکذیب کرتا ہے، جبکہ آخری آیات میں رؤیت سے مراد آنکھوں کی بصارت ہے کیونکہ منافقین کی یہ حالت ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک دین سے مراد آخرت کا حساب وجزا ہے۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے مراد دینِ اسلام لی ہے، اور دونوں معنی ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں، مقصد

یہ کہ اسلام اور آخرت پر یقین ایسی سیرت و کردار پیدا کرتا ہے جو اس پر ایمان نہ لانے والوں میں نہیں پائی جاتی۔ جس سے ایمان بالآخرۃ کی اخلاقی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ) حرف (ف) یہاں پورے جملے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ انکارِ آخرت کی وجہ سے وہ ایسا شخص ہے جو مذکورہ قباحتوں میں مبتلا ہے۔ اور معنی یہ کہ جو شخص بخیل ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت کا بھی منکر ہو تو ایسے شخص سے کس خیر و بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے، اور ایسا شخص یتیم و نادار اور بے سہارا لوگوں کے ساتھ کیوں کر حسنِ سلوک کرسکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو وہی اچھا سلوک کرے گا جس کے دل میں مال کی بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت ہو، اور اپنے نیک اعمال کا بدلہ قیامت کے روز پانے کی امید رکھتا ہو۔ جبکہ قیامت کا منکر شخص جیسے چاہے ظلم وستم ڈھائے، یتیموں اور بے بسوں کا حق کھائے، اُن کی پائی ہوئی وراثت ہڑپ کرجائے، اور اگر وہ رحم کی اپیل لے کر آئیں تو دھتکارے، کیونکہ: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ (انہیں کسی حساب وکتاب کی توقع ہی نہ تھی)، اس سلسلے میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے۔ ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اس نے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دیدے۔ مگر اس ظالم نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہوکر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاکر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوادیں گے۔ بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضور سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت اسے کس غرض کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہیں، وہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپ سے بیان کیا۔ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو، تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لاکر اسے دے

دیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہوکر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا خدا کی قسم، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا، مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی، اس واقعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عرب کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور معزز قبیلے تک کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور دوسرے بے یارو مددگار لوگوں کے ساتھ کیا سلوک تھا، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ کے اس اخلاق کا آپ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا۔

(وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ) اور یتیم کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا، اور جو شخص کسی دوسرے کو ایسی بات نہ کہے وہ خود کہاں ایسا کرے گا؟ بعض مفسرین نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ (وہ مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا) یعنی جو کھانا مسکین کو دیا جاتا ہے وہ دینے والے کا کھانا نہیں بلکہ اُسی مسکین کا کھانا اور اس کا حق ہے جو دینے والا ادا کر رہا ہے، یہی بات سورہ ذاریات میں اس انداز سے بیان فرمائی گئی: ﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (اور ان کے مالوں میں سائل ومحروم کا حق ہے)، یہ بھی سابقہ اسباب پر مبنی ہے، کہ انسانیت پر نیکی واحسان کے جذبہ سے محروم اور روز جزا کا منکر غریبوں، مسکینوں کو کھلانے کی ترغیب نہیں دے سکتا۔

آخرت کے منکر میں یہی دو خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ بے شمار خرابیوں اور قباحتوں کا شکار ہوتا ہے، ان دو کا ذکر بطور مثال ہے، جن کو ہر شریف الطبع، سلیم الفطرت شخص تسلیم کرتا ہے کہ یہ بہت گری ہوئی اور کمینی حرکتیں ہیں۔ اسی مضمون کا بیان سورۃ الفجر میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ. وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ

الْيَسْكِيْنِ . وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلاً لَمَّا﴾ (یہ بات نہیں، بلکہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے۔ اور محتاج کو کھانا کھلانے اپنے تئیں یا دوسروں کو ترغیب نہیں دلاتے۔ اور وراثت کا سارا مال ہڑپ کر جاتے ہو۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ ویل کے معنی تباہی و بربادی، اور جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ انس بن مالک اور عطاء بن دینار فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ﴿عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ (نماز سے غافل) فرمایا، نہ کہ: فی صلاتہم ساہون (نماز میں غافل)، کیونکہ ہم نماز میں بھولتے تو ضرور ہیں لیکن غافل نہیں ہیں، اس لیے ہمارا شمار اُن منافقوں میں نہیں ہے۔ کیونکہ دورانِ نماز بھول جانا نفاق تو درکنار گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ سرے سے کوئی قابلِ گرفت عیب نہیں، سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

جبکہ نماز سے غافل ایسے لوگ ہیں جو نہ صرف مسلمان کہلاتے بلکہ کسی حد تک نماز بھی پڑھتے ہیں، لیکن اس کی پابندی نہیں کرتے، نماز پڑھی نہ پڑھی دونوں ان کی نگاہ میں برابر ہے، اگر بعض نمازیں ادا کر لیں تو دوسری چھوڑ دیں، اور نماز کے اوقات، اس میں خشوع وخضوع، اخلاص وسنت کی مطابقت، اور باجماعت ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں، نماز کا وقت آتا ہے تو انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، مؤذن کی آواز کی آواز پر انہیں خیال تک بھی نہیں آتا کہ یہ کس کی طرف سے پکار رہا ہے؟ کس کو پکار رہا ہے؟ اور کس کے لیے پکار رہا ہے؟ اور یہی آخرت پر ایمان نہ ہونے کی علامت ہے، روزِ جزا کے انکار کے سیاق وسباق میں ایسے لوگوں کا ذکر کرنے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ نماز میں وہی شخص کوتاہی کرتا ہے جو آخرت کے حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتا۔

نماز میں دوسرے خیالات کا آجانا بڑی بات نہیں، یہ بشریت کا تقاضا ہے، لیکن نماز کی طرف متوجہ ہی نہ ہونا اور دوسری باتیں ہی سوچتے رہنا، نماز کو جلدی جلدی سر سے اتار کر چل دینا بھی نماز میں غفلت ہے، ایسا کرنے والا دراصل ورزش (Exercise) کر رہا ہوتا ہے، صحیح

بخاری و مسلم کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا: (یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ عصر کے وقت بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے (یعنی غروب ہونے والا ہوتا ہے) تو اُٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے جن میں اللہ کو کم ہی یاد کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ: یہ آیت سابقہ آیت سے متعلق بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے، اور مستقل جملہ بھی ہوسکتا ہے، سابقہ آیت سے متعلق ہونے کے اعتبار سے ابن عباسؓ کا فرمان ہے: اس سے مراد منافقین ہیں جو دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ کوئی دیکھنے والا ہو تو پڑھ لیتے ہیں ورنہ نہیں پڑھتے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالَى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾

''جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی کے ساتھ، دکھلاوا کرتے ہوے اور اللہ کا ذکر تھوڑا ہی کرتے ہیں۔''

مستقل جملہ ہونے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِن منافقوں کا کوئی عمل بھی خالص نیت سے نہیں ہوتا، بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دوسروں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں، تا کہ ان کے کارِ خیر کا ڈھنڈورا پٹے، اور اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا میں ہی حاصل ہو جائے۔

(وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ) لفظ (مَعن) کسی منفعت والی تھوڑی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے، بعض صحابہ و تابعین کے ہاں اس سے مراد زکاۃ ہے، کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں صرف (2.5%) بہت تھوڑی ہے، جبکہ بعض دوسرے صحابہ و تابعین نے اس سے مراد گھریلو استعمال کی معمولی چیزیں لی ہیں، مثلاً: ڈول، ہنڈیا، کلہاڑی، ترازو، چھلنی وغیرہ، مطلب یہ کہ گھریلو استعمال کی معمولی چیزیں عاریتاً نہ دینا اور بخل و کنجوسی کرنا بھی آخرت پر ایمان نہ لانے والے لوگوں کی صفت ہے جو اخلاقاً ایک ذلیل اور کمینی حرکت ہے، کیونکہ ایسی

چیزوں کا عام طور پر ہمسایوں میں لین دین رہتا ہے، اور سبھی کو کسی نہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

تفسیر سورۃ قریش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے۔ ان کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے۔ تو ان پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ وہ جس نے انھیں بھوک سے (بچا کر) کھانا دیا اور خوف سے (بچا کر) امن دیا۔

تسمیہ:

پہلی آیت میں مذکور لفظ (قریش) سے اس کا نام لیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

اکا دکا کے سوائے تمام مفسرین نے اسے مکی قرار دیا ہے۔ اور خود اس کے الفاظ بھی اس کے مکی ہونے کی گواہی دیتے ہیں، خصوصاً (رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ) (یعنی اسی گھر کے رب) کے الفاظ میں تو واضح طور پر مکی ہونے کا بیان ہے، بلکہ اس کا مضمون سابقہ سورہ الفیل سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول سورہ الفیل کے متصل بعد ہوا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت اُبَی بن کعب کے مصحف (قرآن) میں دونوں سورتیں ایک ہی سورت کے انداز سے لکھی ہوئیں تھیں، درمیان میں (بسم اللہ) نہیں تھی، لیکن علماء امت کا اجماع ہے کہ دونوں الگ الگ سورتیں ہیں، اور جن صحابہ سے متعلق اس سورت کو ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، وہ ان کے موضوع کے اعتبار سے ہے۔

تاریخی پس منظر:

قبیلہ قریش رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ قُصی بن کلاب کے زمانے تک حجاز کے مختلف علاقوں میں منتشر تھا، قُصی نے انہیں مکہ میں جمع کیا اور بیت اللہ کی سرپرستی کا منصب سنبھالا، حاجیوں کی خدمت کا بہترین انتظام کیا، جس وجہ سے عرب کے تمام علاقوں میں قریش کا اثر ورسوخ قائم ہوگیا، اس کے بعد آپ ﷺ کے دادا ہاشم بن عبدمناف بن قصی نے بین الاقوامی تجارت کی بنیاد رکھی، جس سے مکہ ایک بین الاقوامی مارکیٹ بن گیا، مختلف علاقوں سے آنے والے حجاج اپنے ساتھ سامان لاتے اور اسے مکہ میں فروخت کر کے یہاں کی منڈیوں میں شام ویمن سے آنے والا سامان خریدتے، اس مقصد کے لیے ہاشم نے اپنے تینوں بھائیوں: عبدشمس، مطلب اور نوفل کو بھی شریک کیا، جنہوں نے مختلف ممالک سے تجارتی معاہدات کیے۔ عرب میں قریش کی مذہبی سیادت کی وجہ سے ان کے تجارتی قافلے بغیر کسی خطرہ ورکاوٹ کے سفر کرتے، بلکہ راستے کے قبائل اُن سے وہ بھاری ٹیکس بھی وصول نہ کرتے جو دوسرے قافلوں سے وصول کرتے تھے۔ انہی وجوہات سے ہاشم اور اس کے بھائیوں کو اصحاب الایلاف کہا جاتا ہے، یعنی اُلفت پیدا کرنے والے۔

مختلف ممالک سے تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش اِن ممالک کی تہذیب وتمدن سے بھی بہرہ ور ہوئے، جس وجہ سے وہ عام عرب قبائل سے اپنی تہذیب وثقافت میں بھی فائق تھے، اسی ضمن میں مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (قریش لوگوں کے لیڈر ہیں۔

قصہ اصحابِ فیل نے قریش کی عرب میں مزید دھاک بٹھا دی، ابرھہ کے لشکر کی عبرتناک انداز سے تباہی سے عربوں کو یقین ہوگیا کہ قریش پر اللہ کا خاص فضل ہے، اور وہ اس کے حفظ وامان میں ہیں۔

چنانچہ سورت کا موضوع اور لب لباب یہ ہے کہ قریش پر اللہ نے امن اور آسودگی کے انعامات جتلاتے ہوئے انہیں توحید کا سبق دیا ہے، کہ جس گھر کی وجہ سے انہیں اس قدر نعمتیں مل رہی ہیں، انہیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔

تفسیر:

(لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ) (قریش کے مانوس ہونے کے سبب) ایلاف لفظ اِلفٌ سے ہے، جس کے معنی الفت اور مانوسی کے ہیں، اور بکھرنے اور منتشر ہونے کے بعد مل جانا ہے۔ اور ایلاف سے پہلے (لام) کے بارے مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ لام تعجب کے معنی میں ہے، یعنی قریش کا رویہ بڑا ہی قابلِ تعجب ہے، کہ وہ منتشر ہونے کے بعد اللہ کے فضل سے جمع ہوئے، اور اسی کے فضل اور بیت اللہ کی وجہ سے انہیں روحانی سیادت اور مالی خوشحالی حاصل ہوئی، پھر بھی وہ اللہ کی بندگی سے روگردانی کرتے ہیں؟

(اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ) (اُن کا مانوس ہونا گرمی اور سردی کے سفر سے) قریش کے تجارتی قافلے گرمی کے موسم میں شام وفلسطین کی طرف سفر کرتے کیونکہ وہ ٹھنڈے علاقے تھے، اور سردی میں جنوبِ عرب کے علاقے یمن کی طرف ان کے قافلے چلتے کیونکہ وہ نسبتاً گرم علاقہ تھا۔ اس آیت میں قریش کو اس نعمت کا احساس دلایا جارہا ہے کہ اُن کے یہ قافلے بغیر روک ٹوک اپنے تجارتی سامان کے ساتھ لمبے سفر طے کرتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ محض اللہ کا فضل اور پھر بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔

(فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ) (لہٰذا اُن کو چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کریں)، گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے، یہاں قابلِ غور یہ بات ہے کہ براہِ راست اللہ کی عبادت کا حکم دینے کی بجائے خانہ کعبہ کے رب (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کا حکم دیا جارہا ہے، اور اس میں یہ راز ہے کہ خانہ کعبہ (بیت اللہ) کی وجہ سے انہیں جو سہولتیں حاصل ہو رہی تھیں، انہیں کسی طرح بھی اس کا انکار کرنا ممکن نہ تھا، خانہ کعبہ کی وجہ سے ہی انہیں عرب میں قیادت وسیادت اور عزت وتکریم حاصل ہوئی، اور پھر اسی گھر (بیت اللہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے انہیں عرب میں امن وامان حاصل ہوا جس سے ان کی معاشی حالت بہتر ہوئی، بلکہ اسی گھر کے سایہ میں آنے کے بعد ان کے بکھرے ہوئے خاندانوں کو اجتماعی حیثیت حاصل ہوئی، تو اگر انہیں بیت اللہ کی بدولت اتنے بڑے انعامات حاصل ہورہے ہیں تو پھر انہیں چاہیے کہ اس گھر کے

رب کی عبادت کریں۔

یہاں یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ خانہ کعبہ اگر چہ اللہ کا گھر ہے، اور روئے زمین پر افضل واطہر خطہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس میں دین ودنیا کی بہت سی خیر وبھلائیاں رکھ دی ہیں ،لیکن پھر بھی اس گھر کی نہیں بلکہ اس گھر کے رب کی عبادت کا حکم دیا، جس میں اُن لوگوں کے لیے بہت بڑا سبق ہے جو مختلف ذوات واشخاص میں کسی طرح کی کوئی فضیلت وبزرگی دیکھ کر اُنہیں یہ بزرگی عطا کرنے والے کی بجائے ان بزرگوں کی ہی عبادت شروع کر دیتے ہیں، یہی شیطان کا وہ ہتھکنڈہ ہے جس سے زمانہ قدیم سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا چلا آیا ہے، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے (غُلُوّ) کا نام دیتے ہوئے فرمایا: ﴿إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ﴾ (زیادتی سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قوموں کی ہلاکت دین میں زیادتی کی وجہ سے تھی۔

(الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ) (جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانا دیا، اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا)، قریش مکہ میں آنے سے پہلے عرب کے مختلف علاقوں میں منتشر تھے، جہاں وہ بھوکوں مر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں جمع کر کے مکہ میں لا بسایا، اور بے آب وگیا صحرا اور سنگلاخ پہاڑوں میں تازہ پھلوں کا رزق عطا کیا، جو ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا مصداق ہے: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ (اے پروردگار، اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔

اسلام سے قبل عرب نہ کہ صرف اخلاقی اور دینی ابتری کا شکار تھے بلکہ سیاسی طور پر بھی بہت بری طرح بگاڑ کا شکار تھے، کسی بستی کو امن وامان حاصل نہ تھا، کوئی قافلہ اطمینان سے سفر نہ کر سکتا تھا، اور کسی شخص کی جان ومال محفوظ نہ تھے، اِن حالات میں قریش مکہ اس طرح کے کوئی خطرات نہ تھے، اُن کے قافلے خیر وسلامتی سے اپنی منزلیں طے کرتے، مکہ تو کیا بلکہ مکہ سے دور دراز علاقوں میں بھی کسی قریشی پر کوئی ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا، اور یہ بھی

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔

امن وامان کی یہ نعمت اس قدر اہم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں اسے روزی پر بھی مقدم کیا ہے، کیونکہ امن وامان ہو تو روزی کی تنگی بھی محسوس نہیں ہوتی، جبکہ بدامنی میں خزانوں کے ڈھیر بھی بے کار بلکہ وبالِ جان ہوتے ہیں، امن وامان کی نعمت چھن جانے کی وجہ سے قوموں کی معیشت برباد ہو جاتی، اور ان کے ترقیاتی منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں، ہنستے بستے گھر ویرانوں میں بدل جاتے، اور مسجد ومحراب خالی ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے توحید وایمان کے ساتھ ساتھ امن وامان کا نہایت اہتمام کیا ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے اسے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، اور امن وامان کی خرابی کو سخت جرم قرار دیا ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اے کعبہ: اے کعبہ، کس قدر تیری عظمت ہے، اور تیری حرمت کس قدر عظیم ہے، لیکن جس ذات کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ایک مسلمان کے مال وخون کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے بھی بہت زیادہ ہے۔

تفسیر سورۃ الفیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کس طرح کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیے۔ جو ان پر کھنگر (پکی ہوئی مٹی) کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ تو اس نے انھیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

سورت کا نام:

پہلی آیت میں مذکور ہے۔

زمانہ نزول:

اس سورت کے مکی ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے۔

تاریخی پس منظر:

سنہ 525ء میں حبشہ کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے وہاں حبشی حکومت قائم کر دی، جس کا بعد میں ابرھہ بن اشرم خودمختار حکمران بن گیا، یمن پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد ابرھہ نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں القُلَّیس نامی عظیم الشان کلیسا تعمیر کروایا، اور عربوں میں منادی کروادی کہ لوگ بیت اللہ کی بجائے اس چرچ کا حج کریں۔ جس سے اس کا مقصد عربوں کو غصہ دلانا تھا تاکہ وہ کوئی ایسی کاروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل سکے۔ چنانچہ اس اعلان سے غضبناک ہو کر ایک عربی نے کلیسا کے اندر قضاء حاجت کر ڈالی۔ بعض روایات میں ہے کہ قریش کے کچھ نوجوانوں نے اس کلیسا کو آگ لگادی تھی، جس پر ابرھہ نے قسم کھائی کہ اس وقت تک چین نہ لے گا جب تک کعبہ کو گرا نہ دے۔

اس کے بعد وہ سنہ 571ء میں (60) ہزار فوج اور (13) ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ کے بعض عرب قبائل نے اس کی مزاحمت کی لیکن انہوں نے شکست کھائی، مکہ سے تین میل قبل المغمّس نامی جگہ پہ ابرھہ نے پڑاؤ ڈالا، اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لیے، جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی (200) اونٹ تھے، اس کے بعد اس نے ایک ایلچی بھیج کر مکہ والوں پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں، بلکہ اس گھر (کعبہ) کو گرانے آیا ہوں، ایلچی نے یہ پیغام مکہ کے سردار عبدالمطلب کو پہنچایا، جب عبدالمطلب ابرھہ کے ساتھ آیا تو وہ اس کی وجاہت سے متاثر ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر عبدالمطلب کے پاس آ بیٹھا، اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ عبدالمطلب نے کہا کہ مجھے میرے

اونٹ واپس کر دو، جس پر ابرھہ نے برہم ہو کر کہا: آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہو، جبکہ یہ گھر جس کی وجہ سے تمہاری عزت ووقار ہے اس کی بات نہیں کرتے، عبدالمطلب نے کہا: (أَنَا رَبُّ الإِبِلِ۔ وَلِلْبَيْتِ رَبٌّ يَحْمِيْهِ) ''میں اونٹوں کا مالک ہوں، جبکہ اس گھر کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔'' یہ کہہ کر عبدالمطلب اٹھ کر چلے آئے، اور ابرھہ نے اُن کے اونٹ انہیں واپس کر دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب خود ابرھہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تم جو بھی کچھ لینا چاہتے ہو لے لو لیکن کعبہ کو نہ گراو، لیکن ابرھہ نے کہا کہ ہم اسے گرا کر ہی جائیں گے۔ چونکہ قریش میں ابرھہ کے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی، اس لیے عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش سے کہا کہ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں، تا کہ خونریزی سے بچ جائیں۔

پھر عبدالمطلب اور قریش کے سردار بیت اللہ میں آئے، اور اپنے (360) بتوں کو بھلا کر صرف ایک اللہ سے فریاد کرنے لگے، مؤرخین نے ان کے دعائیہ اشعار نقل کیے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ: اے اللہ تو اپنے گھر کی حفاظت کر، اور اہلِ صلیب کے مقابلے انہیں غالب کر، اور ہم تیرے سوا اُن کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتے۔

یہ دعا مانگ کر وہ لوگ پہاڑوں میں نکل گئے۔ دوسرے روز ابرھہ مکہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادی محسّر میں اس کا خاص ہاتھی محمود بیٹھ گیا، انہوں نے اسے ہر قیمت آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ مکہ کی طرف بڑھنے کے لیے تیا رنہ ہوتا، جب اسے مکہ سے دوسری طرف چلاتے تو دوڑتا ہوا آگے بڑھتا، اسی دوران پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے آئے اور ابرھہ کے لشکر پر سنگریزوں کی بارش برسانا شروع کر دی، جو کنکریاں ان کے سر سے داخل ہو کر پیٹھ سے نکلتیں ، اور جسے بھی یہ کنکر لگتا اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا، اسے سخت کھجلی لاحق ہوتی، اور کھجاتے ہی جلد پھٹ جاتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا، اس افراتفری میں اُن لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا، اور مشیتِ باری تعالیٰ تھی کہ حبشی لشکر کے یہ لوگ وہیں ملیا میٹ نہ ہوئے،

بلکہ مکہ سے یمن تک گرتے چلے گئے تا کہ دنیا کے لیے سامانِ عبرت بن سکیں، اور خود ابرھہ بھی یمن سے قبل قبیلہ خشعم میں جا کر ہلاک ہوا، بعض روایات میں ہے کہ وہ صنعاء پہنچ کر ہلاک ہوا، جبکہ اس کا جسم سکڑ کر ایک چوزے کی مانند ہو چکا تھا۔

سورہ فیل کا درسِ توحید:

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اس سورت میں توحید کا بیان نہیں فرمایا، لیکن واقعہ فیل کا ذکر بذاتِ خود توحید باری تعالیٰ کا بیان ہے، کہ خانہ کعبہ اور مکہ والوں کو ابرھہ کے حملہ سے کسی دیوی دیوتا نے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ نے بچایا تھا، یہی وجہ ہے کہ قریش اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد تک صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے رہے تھے، چنانچہ اس سورت میں قریش کو بالخصوص اور باقی لوگوں کو بالعموم دعوت دی جا رہی ہے کہ محمد ﷺ جس رب کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے جس کی قدرت وعظمت کے نظارے تم دیکھ چکے ہو۔ اس دعوت سے روگردانی کے نتیجہ میں ان کا بھی وہی انجام ہوسکتا ہے جو اصحاب فیل کا ہوا۔ مزید یہ سورت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظہر ہے، جس نے کمزور پرندوں سے (60) ہزار کے لشکر جرار کو تہس نہس کر دیا۔

تفسیر:

(اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ) (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟) یہ خطاب صرف نبی کریم ﷺ کو نہیں، بلکہ قریش کے علاوہ تمام لوگ بھی اس کے مخاطب ہیں، (اَلَمْ تَرَ) (کیا تم نے نہیں دیکھا) اس لیے فرمایا کیونکہ واقعہ فیل سورت کے نزول سے (۴۰-۴۵) سال قبل ہی پیش آیا تھا، اور اسے دیکھنے والے اکثر وبیشتر لوگ ابھی تک باحیات تھے، بعد میں پیدا ہونے والوں کے ہاں بھی یہ واقعہ کچھ اس طرح سے مشہور ومعروف تھا کہ جیسے ان کے سامنے پیش آیا ہو۔ اسی لیے اصحاب فیل کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی کہ وہ کون لوگ تھے؟ اور کس غرض سے آئے تھے؟ کیونکہ یہ سب باتیں عرب کے ہاں معلوم تھیں، اور اس لحاظ سے (اَلَمْ تَرَ) کا معنیٰ: (اَلَمْ تَعْلَمْ) (کیا

آپ نے نہیں جانا؟) اور عربی لغت میں اکثر و بیشتر دیکھنے کا لفظ جاننے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ) (کیا ان کی تدبیر کو ناکام نہ بنا دیا؟) (کَیْد) کا لفظی معنی کسی خفیہ سازش کا ہے، اور ابرھہ کی خفیہ سازش خانہ کعبہ کو گرا کر عرب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ تجارت کا مرکز عربوں سے چھین لینا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی سازش کو ناکام بناتے ہوئے اسے اور اس کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا، جبکہ خانہ کعبہ محفوظ وسلامت رہا، اور نہ صرف عرب بلکہ پوری روئے زمین کا روحانی مرکز بن گیا۔

(وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ) (اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے)، (اَبَابِیْل) کا معنی: پے در پے مختلف سمتوں سے آنے والے متفرق گروہوں کے ہیں، چنانچہ مفسرین کا فرمان ہے کہ یہ جُھنڈ کے جُھنڈ پرندے بحر احمر (Red sea) کی طرف آئے تھے، اس طرح کے پرندے نہ پہلے کبھی دیکھے گئے نہ بعد میں، ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک کنکری تھی، جو مٹر کے چھوٹے دانے کے برابر سیاہی مائل سرخ تھیں، روایات میں آتا ہے کہ یہ کنکریاں مکہ والوں کے پاس ایک عرصہ تک محفوظ رہیں۔

(تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ) (جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے کنکر پھینکتے تھے) لفظ (سِجِّیْل) فارسی کے لفظ (سنگ گِل) سے عربی میں آیا ہے، جس کا معنی: وہ پتھر ہے جو مٹی کے گارے سے بنا ہو اور پک کر سخت ہو گیا ہو، جیسے اینٹ کو زیادہ تپش لگ جائے تو وہ سرخ کی بجائے سیاہی مائل ہو جاتی ہے، انہیں پتھروں کو سورہ الذاریات میں ﴿حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ یعنی (مٹی کے گارے سے بنے ہوئے پتھر) کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی پرندوں نے ابرھہ کی فوج پر جو کنکریاں برسائیں، وہ پکی ہوئی مٹی کے پتھر تھے، اور ان کنکریوں نے کلاشن کی گولیوں سے زیادہ مہلک کردار ادا کیا۔

(فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ) (پھر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا) لفظ (عصف) کو سمجھنے کے لیے ہم سورۃ الرحمٰن کی طرف رجوع کرتے ہیں، جہاں ارشادِ باری تعالیٰ

ہے: (وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ) (اور بھس والا اناج)، چنانچہ معلوم ہوا کہ (عَصْف) اس چھلکے کا نام ہے جو دانوں کے اوپر ہو، اور صفائی کرتے ہوئے اسے دانوں سے الگ کر کے چوپائیوں کو چارے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں سے ابرھہ کی فوج پر ایسی کنکریاں برسائیں جو ان کے سر سے داخل ہو کر پیٹھ سے نکلتیں، اور جسے بھی یہ کنکر لگتا اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا، اسے سخت کھجلی لاحق ہوتی، اور کھجاتے ہی جلد پھٹ جاتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا، اور اس طرح سے ان کے اجزاءِ جسم اس انداز سے بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

تفسیر سورة الهمزة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ﴿۹﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔

وہ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔

وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

ہرگز نہیں، یقیناً وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔

اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ حطمہ کیا ہے؟

اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔

وہ جو دلوں پر جھانکتی ہے۔

یقیناً وہ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی ہے۔

لمبے لمبے ستونوں میں۔

نام: سورت کی پہلی آیت میں لفظ (هُمَزَة) سے لیا گیا ہے۔

زمانہ نزول: اس سورت کے مکی ہونے پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے، جبکہ اس کا مضمون بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے، جس میں آخرت کے منکرین اور ان کے انجام کا بیان ہے۔

موضوع ومضمون: اس سورت میں چند اخلاقی برائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو جاہلیت سے چلی آرہی ہیں، اور وہ ہے مادہ پرستی اور اس کے دین، اخلاق اور معاشرت پر برے اثرات، جب مال ودولت کے نشہ میں انسان انسانیت کو فراموش کے فرعونیت اختیار کر لیتا ہے، دوسروں کو حقیر جانتا ہے، مال سمیٹ سمیٹ کر رکھتا اور اسی مال ہی کو اپنی بقاء اور عزت وقار کا سبب گردانتا ہے، چنانچہ اس سورت میں اس گھناؤنی اور رذیلہ خصلت کا انجام بیان فرمایا کہ ایسے لوگ کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔

تفسیر:

(وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ) (تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہے) (وَيْلٌ) کا لفظ تباہی افسوس اور خرابی کے معانی میں آتا ہے، (هَمْز) اور (لَمْز) بعض علماء کے ہاں ایک ہی معنی میں ہیں، اور بعض دوسرے مفسرین کے ہاں (هَمْز) وہ شخص جو رُوبرُو برائی کرے، اور (لَمْز) وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ اور بعض علماء نے (هَمْز) کا معنی آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارہ سے کسی کی برائی کرنا، اور (لَمْز) کا معنی زبان سے برائی کرنا کیا ہے۔ معنی یہ کہ لوگوں کو حقیر سمجھ کر انہیں طعنے دینے، عیب نکالنے، اور غیبت کرنے والوں کو تباہی وبربادی کی وعید ہے۔

(الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ) (جو مال کو جمع کرتا اور گن گن کے رکھتا ہے) یہ آیت پہلی آیت میں مذکور شخص کے تکبر وغرور کا سبب بیان کر رہی ہے کہ دوسروں کی تحقیر وتذلیل کرنے والے کا گھمنڈ اس کے مال ودولت کی وجہ سے ہے، جو مال جمع کرتا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے، جو اس کے بخل وکنجوسی اور زر پرستی کی دلیل ہے۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ مالداروں

اور زر پرستوں کو مال جمع کرنے اور اسے گن گن کر رکھنے میں ایک خاص لذت محسوس ہوتی ہے۔

(يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ) (وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا)، مادہ پرستی میں یہ شخص اس قدر منہمک ہو چکا ہے کہ اسے اپنی موت بھی یاد نہیں رہی، بلکہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ کے لیے ہے، اور وہ خود بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ایسی باتیں زبان سے کرتا ہو، لیکن کسی شخص کی مال سے اس قدر محبت اور مادہ پرستی میں اس قدر آگے بڑھ جانا کہ اسے آخرت بھول جائے اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ہاں دنیا سے جانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

(كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ) (ہرگز نہیں، وہ تو ضرور ضرور چکنا چور کر دینے والی (جہنم) میں پھینکا جائے گا) (كَلَّا) یعنی بات ایسی نہیں جو وہ تصور کیے ہوئے ہے، اور (نبذ) کے معنی کسی چیز کو ردی اور بے کار سمجھتے ہوئے پھینک دینا، یا کسی چیز کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے پس پشت ڈال دینا، لفظ (الْحُطَمَةِ) (حطم) سے ہے، جس کے معنی توڑ پھوڑ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے، جہنم کی یہ صفت اس لیے ہے کہ اس میں پڑنے والی ہر چیز جہنم کی شدت کی وجہ سے چکنا چور ہو جائے گی، جیسا کہ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (میں نے جہنم کو دیکھا جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کو تہس نہس کر رہے تھے)، مطلب یہ ہے کہ ان مادہ پرست لوگوں کو نہایت حقیر و ذلیل حالت میں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ) (اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ چکنا چور کرنے والی کیا ہے؟) یہ سوال جہنم کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک ہے کہ جس کا تمہاری عقل ادراک نہیں کر سکتیں، اور اس کی سختی تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔

(نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ) (وہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے)، قرآن کریم میں یہی ایک مقام ہے جہاں جہنم کی آگ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آگ بھڑکائی ہے، جس سے آگ کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ جس آگ کو رب ذوالجلال، عزیز ذوانتقام نے بھڑکایا ہو وہ کیسی المناک اور ہولناک آگ ہوگی، بلکہ مزید یہ کہ ان الفاظ

میں مادہ پرست مغرور ومتکبر پر اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا اظہار ہوتا ہے، جو کسی انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے کافی ہے۔

(الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ) (جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی) (فؤاد) دل کا وہ حصہ ہے جو انسان کے شعور وادراک، جذبات وخواہشات، اور جذبات کی شدت وتاثیر سے تعلق رکھتا ہے، مطلب یہ کہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی یہ آگ دل کے اس حصہ تک پہنچے گی جو جذبات کا مرکز ہے، ایسا دل جو زر پرستی اور مال کی محبت سے معمور ہے، جو دوسروں کو حقیر وذلیل اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، یہ آگ اس کے ان جذبات اور دل کے اس حصے کو بھون کر رکھ دے گی جو برے خیالات، فاسد عقائد اور ناپاک عزائم کا مرکز تھا۔

(اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ) (ان پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی) (فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ) (اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے) ہوں گے)، یعنی ایسے مغرور ومتکبر، مادہ پرست لوگوں کو ذلیل وحقیر سمجھ کر جہنم میں پھینکنے کے بعد انہیں لمبے ستونوں میں بند کر دیا جائے گا، جہاں ان کے لیے کوئی دروازہ کھڑکی تو درکنار کوئی سوراخ بھی نہیں ہوگا، اور جہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ اور یہ جہنم کی آگ کے علاوہ مزید اذیت ناک عذاب ہے۔

(اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ) اللہ ہمیں آگ کے عذاب سے پناہ دے۔

سورۃ الہمزۃ کا پیغام:

یہ سورت آج کے مادہ پرستوں اور مال وزر کی ہوس رکھنے والوں کے لیے لمحہ فکر ہے، جو مال کی محبت میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ وہ مقصد ہی فراموش کر چکے ہیں جس کے لیے پیدا ہوئے ہیں، اگر مالدار ہیں تو اپنے بنک بیلنس بڑھانے کی کوشش اور اس کے حساب وشمار میں مست ہیں، اور اگر تنگدست ہیں تو ہر لمحہ مال حاصل کرنے کی کوشش، جسے سوتے جاگتے صرف اپنے معاش کی فکر ہے، بے نماز کو تو اپنے دین کیا فکر ہوگی؟ حتیٰ کہ نماز روزے کا اہتمام کرنے والے اکثر وبیشتر لوگ دنیا ہی کے طالب نظر آتے ہیں، حالانکہ قرآن نے جا بجا مال کے فتنہ سے بچنے کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ

فِتۡنَةٌ﴾ (تمہارے مال واولاد تو محض آزمائش ہیں)، صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ نے مال ودولت کی ہوس رکھنے والے کو درہم ودینار کا بندہ قرار دیتے ہوئے اس کے لیے بد دعا کی ہے۔ رحمت للعالمین کی بد دعائیں لینے والے کیسے ممکن ہے کہ خوشی ومسرت اور سعادت کی زندگی بسر کر سکیں؟؟؟

تفسیر سورۃ العصر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

زمانے کی قسم! کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

وجہ تسمیہ:

اس کا نام پہلی آیت کے لفظ (عصر) سے لیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:

بعض تابعین نے اسے مدنی قرار دیا ہے، لیکن جمہور مفسرین اسکے مکی ہونے کے قائل ہیں۔

موضوع ومضمون:

یہ سورت جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے۔ جس میں چند جچے تلے الفاظ میں معنی کی ایک دنیا بھر دی گئی ہے۔ انسان کی فلاح وکامیابی کا راستہ اور اس کی تباہی وبربادی کا راستہ بتا دیا گیا ہے۔ اس کے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اصحاب رسول ﷺ ایک دوسرے سے ملتے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سنا لیتے (طبرانی)، اور

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اگر لوگ اس سورت پر غور وفکر کرلیں تو ان کے لیے کافی ہو۔

تفسیر:

(وَالْعَصْرِ) (و) قسم کے لیے، اور عربی لغت میں حرف (و) کے متعدد استعمالات میں اسے قسم کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

قسم کھانے کا مقصد کسی چیز کی حقیقت بیان کرنا، یا اسے ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لفظِ قسم کے بعد کا جملہ عموماً جوابِ قسم ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے، لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ) (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

عصر سے مراد زمانہ ہے، جیسے کہ ابن عباس نے تفسیر فرمائی ہے۔ بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد نمازِ عصر لی ہے، جس کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (نمازوں کی حفاظت کرو، اور خصوصاً درمیانی نماز (عصر) کی۔

گذرے ہوے زمانے کی قسم سے مراد یہ کہ انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ صفات نہ اپنائیں وہ بالآخر خسارے میں پڑ گئے، جیسا کہ قرآن کریم نے سابقہ قوموں کی تباہی و بربادی کی داستانیں بیان کی ہیں۔ گذرتے ہوے زمانے کی قسم سے مقصود انسان کو وقت کی اہمیت کو بتانا ہے۔ جیسے کہ طالب علم کو کمرہ امتحان (Examination hall) میں پیپر حل کرنے کا وقت ملا ہو، جس کا ہر لمحہ اس کے لیے بہت قیمتی ہے۔ اگر وہ یہ وقت ضائع کر دیتا ہے تو نتیجتاً امتحان میں فیل ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ کی عبادت نہ کرنا، اور شب وروز دنیا کی مستیوں اور مادہ پرستی میں گذار دینا، بہت بڑا خسارہ ہے۔

(اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ) یہ جوابِ قسم ہے۔ لفظِ انسان اسمِ جنس کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد پوری نوعِ انسانیت ہے۔

خسارے کا لفظ نفع کے ضد ہے۔ جس سے مراد کسی ایک چیز میں نقصان ہونا ہے اور کاروبار مکمل طور پر تباہ ہوجانا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اسے فلاح کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے، جس میں دنیا وآخرت کی فلاح شامل ہے۔ خسارے سے مراد بھی دنیا وآخرت دونوں کا خسارہ ہے، فخر الدین رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا کہ میں نے سورہ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایا پگھلا جارہا ہے۔ اسی طرح کہ زندگی بھی قیمتی ترین سرمایا ہے، ہر گذرنے والا لمحہ اسے ختم کر رہا ہے، اور ہر قدم انسان کو قبر کے قریب کر رہا ہے، چنانچہ اگر وہ اِن لمحات کو زندگی کے مقصد (صرف ایک اللہ کی عبادت) پر صَرف نہیں کرتا تو اس جہنم کی طرف جارہا ہے جس کا وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ایندھن بننے والا ہے، ساتھ ہی نعمتوں بھری جنت سے محروم ہورہا ہے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ ونقصان نہیں ہوسکتا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾

''کہہ دیجیے: حقیقی نقصان پانے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن کھو بیٹھیں گے، یاد رہے کہ یہی کھلم کھلا نقصان ہے۔''

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، دعوتِ حق دی اور صبر کیا، موت کے بعد وہ جنت کی ابدی اور پُر آسائش نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔

لفظِ ایمان کے معنی سچے دل سے ماننے اور یقین کرنے کے ہیں، جس میں زبان سے اقرار، دل کا یقین اور پھر اسے عملی جامہ پہنانا ہے، نہ کہ صرف زبانی اقرار۔ اللہ رب العزت نے ایمان کی حقیقت اِن الفاظ سے بیان فرمائی:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴾

''مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان لائے، پھر انہیں ایمان میں کوئی شک نہیں رہا، اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ایسے ہی لوگ سچے ایمان دار ہیں۔''

جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے: (1) اللہ تعالیٰ پر۔ (2) رسولوں پر۔ (3) فرشتوں پر۔ (4) آسمانی کتابوں پر۔ (5) آخرت کے دن اور (6) اچھی بری تقدیر پر۔ یہ ایمان، اخلاق اور سیرت وکردار کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی قائم ہوسکتی ہے، جس میں انسان بلا خوف وخطر اپنی زندگی کے شب وروز گذارتا ہے۔ اس ایمان کے بغیر زندگی کتنی بھی خوشنما کیوں نہ ہو اس کا حال اس بے لنگر جہاز کا سا ہے جو کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

(وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) (الصالحات) کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں کوئی عمل صالح نہیں ہوتا جب تک اس میں تین شرطیں نہ ہوں: (۱) عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو۔ (۲) اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دیے ہوئے طریقے پر ہو۔ (۳) عمل کرنے والا مومن ہو، چنانچہ ایمان وہی معتبر اور مفید ہے جس کے صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ایمان وعمل کا تعلق بیج اور درخت کا ہے۔ بیج کے بغیر درخت پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر بیج زمین میں ڈالا جائے لیکن درخت نہ اُگے تو یہ بیج کے بیکار ہونے کی دلیل ہے۔

(وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ) حق کی وصیت میں پوری شریعت ہے جس میں سبھی اصول وفروع (دین کے چھوٹے بڑے مسائل) شامل ہیں۔ معنی یہ ہے کہ ایمان لانے والوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا، بلکہ ان کے اجتماع سے ایک مومن وصالح معاشرہ وجود میں آنا چاہیے۔ اور معاشرے کو بگاڑ سے بچانے کے لیے ہر فرد دوسرے کو حق بات کی تلقین کرے۔ جو لوگ خود تو حق پر قائم ہوں لیکن معاشرے میں حق کو پامال ہوتے دیکھتے رہیں مگر کوئی سرگرمی نہ دکھائیں تو وہ لوگ خسارے سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تین گروہوں کا ذکر کیا: (۱) گناہ گار۔ (۲) گناہ سے بچنے والے لیکن گناہ گاروں کو منع نہ کرنے والے (۳) گناہ سے بچ

کر دوسروں کو بھی بچنے کا حکم دینے والے، اس قوم پر عذابِ الٰہی آیا تو صرف تیسرے گروہ کو عذاب سے پناہ ملی۔ ﴿فَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (پس ہم نے گناہ سے منع کرنے والوں کو بچالیا، اور ظلم (گناہ) کرنے والوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔

لفظِ (حق) سے مراد: صراطِ مستقیم، صحیح سچی اور مطابق عدل وانصاف بات، خواہ وہ عقیدہ وایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیاوی معاملات سے۔

(وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) صبر کی تلقین کی مناسبت یہ ہے کہ مذکورہ تینوں عمل صبر کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ ایمان لانے والوں کو آزمائشوں وامتحانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمّٓ . أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ﴾

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ انہیں صرف ایمان کے دعوے پر بغیر آزمائش کے ہی چھوڑ دیا جائے گا، ان سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے خوب آزمایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کرے گا۔''

ایمان کے بعد عمل صالح کے لیے صبر کی ضرورت ہے، جس صبر سے آدمی نیک اعمال پر استقامت اختیار کر سکتا ہے، ورنہ وہ جلد ہی انہیں چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور تیسرا عمل: اس ایمان وعمل کی دعوت دینا ہے۔ جس کے لیے اشد ضرورت ہے۔

صبر کا اجر وثواب:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (صبر کرنے والوں کو (آخرت میں) بغیر حساب اجر دیا جائے گا۔ صبر کی تین اقسام ہیں: (۱) نیکی پر صبر۔ (۲) برائی سے بچنے کے لیے صبر۔ (۳) اللہ کی طرف سے مقدر آلام وآفات پر صبر۔

طہارت کے احکام

قرآن وسنت کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اَمَّا بَعْدُ !

مسائل واحکام میں اختلاف کی حالت میں کیا فرض ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النساء: 59)

''پھر اگر کسی بات پر تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر اور انجام میں اچھا ہے۔''

قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونے سے متعلق ائمہ کرام کی تعلیمات:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کئی ایسے ارشادات ہیں جن میں انہوں نے قرآن وسنت کی اتباع کرنے کا حکم دیا اور اس کے مخالف اقوال کی تقلید سے منع کیا ہے، مثلاً وہ فرماتے ہیں: (اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو) (الفلاني في الإيقاظ ص 50)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر ایک کی بات قبول کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے) (الجامع 91/2)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ کی سنت معلوم ہو جائے تو پھر کسی کے قول کی خاطر اسے چھوڑنا جائز نہیں)۔ (الفلاني ص 68)

مزید فرماتے ہیں: ''اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو میرا مسلک وہی ہے''، اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ (النووي 63/1)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک، شافعی، اوزاعی اور

(9)......مشتبہ کپڑوں کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا میسر نہ ہو تو جس کپڑے کے متعلق پاک ہونے کا زیادہ رجحان ہو اس میں نماز ادا کی جائے، اور یہ مشتبہ چیزوں کا قاعدہ ہے کہ یقین پر عمل کرتے ہوئے شک کو نظر انداز کیا جائے، صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر نمازی کو پیٹ سے ہوا خارج ہونے کا شک ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: (لا یَنْصَرِفْ حتی یَسمَعَ صَوتاً، أو یَجِدَ رِیحًا) (نماز نہ چھوڑے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے (یعنی ہوا خارج ہونے کا یقین ہو جائے) (البخاري: 137، مسلم: 361)

برتنوں کے مسائل:

(10)...... پانی عموماً برتنوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ سونے چاندی کے علاوہ: لوہے، تانبے، پیتل، پتھر، اور چینی وغیرہ کے کسی طرح کے پاک برتن میں پانی رکھا جا سکتا ہے، اگر چہ وہ قیمتی ہیرے جواہرات سے بھی کیوں نہ ہوں۔

(11)......سونے چاندی کے برتن کھانے پینے یا طہارت میں استعمال کرنا منع ہے، صحیحین میں حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ کھاؤ)۔ لیکن ٹوٹا ہوا برتن جوڑنے کے لیے معمولی مقدار میں چاندی کا استعمال کیا جا سکتا ہے، صحیح بخاری (3109) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ٹوٹے ہوئے پیالے پر چاندی کی تار سے جوڑ لگایا۔

(12)......اہل کتاب اور مشرکین کے برتن اور کپڑے اگر پاک ہوں تو استعمال کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے مشرکہ عورت کے مشکیزے سے پانی پیا اور وضو کیا۔ (بخاري: 344، مسلم: 682)، اگر انہیں دھولیا جائے تو افضل ہے، جیسا کہ آپ نے اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ (بخاري:5478، مسلم: 1930) البتہ لنڈے سے خریدے ہوئے کپڑے دھوئے بغیر استعمال نہ کریں کیونکہ ہمیں معلوم نہیں وہ پاک ہیں یا نہیں۔

(13)......جس جانور میں بہنے والا خون نہ ہو اور جو پانی کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو، ایسا جانور مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا، فرمانِ نبوی ہے: (پینے والی چیز میں مکھی گر جائے تو اسے ڈبو

کر نکالو، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے اور پھر چاہیں تو وہ مشروب پی لیں)، یعنی وہ ناپاک نہیں، (بخاري: 3320)، بشرطیکہ یہ جانور گندگی ناپاکی سے پیدا نہ ہو جیسا کہ کاکروچ وغیرہ ہے۔

(14)...... ہر طرح کے حلال وحرام جانوروں کے: بال، اُون اور پَر استعمال کرنا جائز ہیں، کیونکہ یہ چیزیں بے جان ہوتی ہیں، چنانچہ ان چیزوں سے بنائے جانے والے کپڑے، لحاف اور کارپٹ وغیرہ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

(15)...... بلی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (یہ ناپاک نہیں، تمہارے پاس (گھروں میں) آتی جاتی ہے) (صحیح/ابو داود) لہٰذا بلی کا جوٹھا پاک ہے۔

(16)...... اہلِ علم کے صحیح قول کے مطابق شراب حرام ہے لیکن ناپاک نہیں ہے، چنانچہ الکحل پر مشتمل عطر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ ایسی ادویات استعمال کی جا سکتی ہیں جن میں الکحل بالکل معمولی مقدار میں ہو۔ (ابن عثیمین (11/250-260)

نجاست دور کرنے کے مسائل:

(17)......نجاست ہر اس گندی چیز کا نام ہے جس سے پاک رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نجاست کم ہو یا زیادہ اسے دور کرنا ضروری ہے۔

(18)...... اصول یہ ہے کہ تمام چیزیں پاک ہیں، کسی چیز کو ناپاک قرار دینے کی شرعی دلیل ہونا ضروری ہے، قرآن وسنت میں جن چیزوں کو ناپاک قرار دیا گیا ہے وہ: انسان یا حرام جانوروں کے فضلہ جات، مذی، ودی، حیض ونفاس کا خون، مچھلی اور ٹڈی کے علاوہ مردہ جانور، خنزیر کا گوشت اور کتے کا لعاب۔

(19)......انسان کی منی ناپاک نہیں ہے۔ صحیح مسلم (288) میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی اور آپ ان کپڑوں میں نماز ادا کرتے)، اور اگر ناپاک ہوتی تو اسے کھرچ دینا کافی نہ تھا بلکہ دھونا ضروری تھا۔

(20)...... حلال جانور کا گوبر، پیشاب اور لعاب ناپاک نہیں ہے، صحیح مسلم (360)

جاسکتا ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (میں نے رسول اللہ ﷺ کو رفع حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے دیکھا، آپ کا منہ شام کی طرف اور پیٹھ قبلہ کی طرف تھی) (مسلم)۔ جبکہ سورج، چاند یا قطب (شمال) کی طرف رُخ یا پیٹھ کرنے سے ممانعت کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔

(31)......راستہ اور پھل یا سایہ دار درخت کے نیچے قضاء حاجت کرنا منع ہے، صحیح مسلم میں ہے: (دولعنت شدہ چیزوں سے بچو: لوگوں کی راہ گذر، اور سایہ دار جگہ میں قضاء حاجت کرنے سے)۔قبروں کے درمیان قضائے حاجت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (ابن ماجہ: صحیح)

(32)......اصل یہ ہے کہ استنجا پانی سے کیا جائے، اگر بآسانی پانی میسر نہ ہو تو صحیحین میں ہے کہ تین پتھروں یا تین مٹی کے ڈھیلوں سے صفائی کی جائے (بخاري: 161، مسلم: 237)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جب رفع حاجت کے لئے جاؤ تو مٹی کے تین ڈھیلے ساتھ لے جاؤ۔ پانی کی جگہ یہی کافی ہیں)۔ (یعنی تین ڈھیلوں سے مکمل طہارت حاصل ہوجائے گی جس کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے) (احمد، ابوداود، نسائی: حسن)، عصرِ حاضر میں ٹشو پیپرز وغیرہ سے صفائی کرنے کا وہی حکم ہے جو مٹی یا پتھر سے صفائی کا ہے۔ (فتاوی شيخنا ابن عثيمين (112/11) مٹی پتھر یا پانی کسی ایک چیز پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ (ابوداود: حسن)

(33)......استنجاء کرتے ہوئے دایاں ہاتھ استعمال کرنا منع ہے، صحیحین میں فرمانِ نبوی ہے: (قضاء حاجت کے وقت دائیں ہاتھ سے شرمگاہ نہ چھوؤ اور نہ ہی اس سے استنجاء کرو)

البخاري (194) ومسلم (393)

(34)...... پیشاب بیٹھ کر کرنا چاہیے، لیکن کسی ضرورت کے تحت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے، حذیفہ بن الیمان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا گزر کسی قوم کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ہوا، تو آپ نے ایک دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر پیشاب کیا) (بخاری)، کیونکہ جگہ بیٹھنے کے لیے مناسب نہ تھی۔

(35)......رفع حاجت کے دوران بلا ضرورت بات چیت کرنا منع ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، تو ایک آدمی نے آپ کو سلام کہا لیکن آپ نے

اس کا جواب نہیں دیا۔

مسواک اور مسنون فطری اعمال:

(36)......تمام اوقات اور خصوصاً وضو اور نماز کے ساتھ مسواک کرنا سنت ہے، فرمانِ نبوی ہے: (اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا) (ابوداود: صحیح)، صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہے: (ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا)، روزہ دار روزے کی حالت میں کسی وقت بھی مسواک کر سکتا ہے، مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی دانتوں پر رگڑنے سے بھی سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(37)......فطری چیزوں کی طہارت: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (دس فطری چیزیں ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کا پچھلا حصہ دھونا، بغلوں کے بال صاف کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، اور استنجاء کرنا) (مسلم: 261)

(38)......مسلمان مردوں اور عورتوں کو چالیس دن میں بال ناخن وغیرہ کاٹ لینا چاہیے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے مونچھیں کترانے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اور زیر ناف بال صاف کرنے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت چالیس دن تک مقرر کی گئی)۔ (مسلم)

(39)......رسول اکرم ﷺ نے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مشرکوں کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو) (مسلم)۔ اس طرح کی دوسری احادیث بھی ہیں جن میں داڑھی رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ داڑھی بڑھانا اسلام کے فرائض میں سے ہے۔

(40)......ختنہ کرنا مردوں کے لیے واجب ہے، اگر بچپن میں کسی وجہ سے ختنہ نہ ہوا ہو تو جیسے ہی ممکن ہو کرنا چاہیے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے (80) اسی سال کی عمر میں تیشہ (لکڑی چھیلنے کا آلہ) سے ختنہ کیا'' (بخاری)

مہندی، مرہم یا تیل کی طرح کی جو چیزیں جسم میں جذب ہو جائیں ان میں کوئی حرج نہیں۔

(52)...... غسل یا وضو کرتے ہوئے پانی کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہئے۔ (رسول اللہ ﷺ وضو کے لئے ایک مد پانی (نصف لیٹر سے کچھ زائد) اور غسل کے لئے ایک صاع پانی (تقریباً ڈھائی لیٹر) سے پانچ مد پانی (تقریباً تین لیٹر) تک استعمال کیا کرتے تھے) (بخاری و مسلم)

نواقضِ وضو (وضو توڑنے والی چھ (6) چیزیں ہیں):

(53)...... پیشاب پاخانے کی جگہ سے کوئی چیز نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے: جیسا کہ پیشاب پاخانہ، منی، ودی، مذی، استحاضہ کا خون، اور ہوا خارج ہونا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ (اور تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا ہو)، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی اکرم ﷺ سے مذی کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا "مذی خارج ہونے سے وضو کرنا چاہئے اور منی خارج ہونے سے غسل کرنا چاہئے۔" (ترمذی: صحیح)

(54)...... گہری نیند سو جانے یا بیہوش ہو جانے یا عقل زائل ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ ایسی حالت میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس میں ہوا خارج ہونے کا اندیشہ نہ ہو، نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام نماز عشاء کا انتظار کرتے یہاں تک کہ ان کے سر نیند کی وجہ سے جھک جاتے پھر وہ دوبارہ وضو کئے بغیر نماز پڑھ لیتے)۔ (ابوداود: صحیح)

(55)...... کپڑے کی آڑ کے بغیر جان بوجھ کر شرمگاہ کو ہاتھ لگایا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنا ہاتھ کپڑے کی آڑ کے بغیر اپنی شرمگاہ کو لگایا اس پر وضو واجب ہو گیا" (مسند احمد: صحیح)

(56)...... اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہئے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا (کیا ہم بکری کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: چاہو تو کرلو نہ چاہو تو نہ کرو۔ پھر اس نے سوال کیا: کیا اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو)۔ (مسلم)

(57)...... ہر وہ چیز جس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ جنابت، حیض ونفاس ہیں۔

(58)...... قے آنے اور نکسیر پھوٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔

(59)...... پیشاب پاخانے کی جگہ کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون وغیرہ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا (فتاوی ابن عثیمین)، لہٰذا زخموں سے بہتے ہوئے خون میں نماز ادا کی جاسکتی ہے، امام بخاری حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: (ہمیشہ مسلمان اپنے زخموں میں نماز ادا کرتے رہے ہیں)(280/1)۔

(60)...... اگر وضو کے بعد اس کے ٹوٹنے کا شک ہو تو اصل یہ ہے کہ وضو باقی ہے۔ اسی طرح اگر وضو ٹوٹنے کے بعد وضو بنانے کا شک ہو تو اصل وضو کا نہ ہونا ہے۔(مسلم)

(61)...... اگر مستقل بیماری (سلس البول، استحاضہ وغیرہ) کی وجہ سے وضو باقی نہ رہتا ہو تو اسی حالت میں نماز ادا کرنی چاہئے، البتہ ایسی صورت میں ہر نماز سے پہلے وضو کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) (الحج:78)

(62)...... ذکر کرنے اور زبانی قرآن کی تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں (مسلم)، یہی حکم موبائل سے قرآن کی تلاوت کرنے کا ہے، البتہ مصحف پکڑنے کے لیے وضو ہونا بہتر ہے۔ فرمانِ نبوی ہے: لَايَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّاطَاهِرٍ (قرآن کو پاکیزہ انسان ہی ہاتھ لگائے)(نسائی)

(63)...... نیند یا صرف ہوا خارج ہونے سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف وضو کرنا ہی کافی ہے۔(فتاوی اسلامیہ:260)

(64)...... درج ذیل امور میں وضو کرنا مستحب ہے: (1) ذکر وتلاوت، (2) ہر نماز کے وقت، (3) سونے سے قبل، (4) جنابت کی حالت میں سونے، کھانے پینے، یا دوبارہ جماع کے لیے۔

(77)......متفقہ موجباتِ غسل: (1) مرد عورت کی شرمگاہ مل جانے پر غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (مسلم: 349)، (2) جماع، اور احتلام وغیرہ کی صورت میں منی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب منی دیکھو تو غسل کرو) (ابوداود: صحیح)، (3) حیض ونفاس ختم ہونے پر غسل کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو فرمایا: (جب حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دو، جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دو) (بخاری:226)

(78)......جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس پر جمعہ کا غسل بھی واجب ہے، صحیحین میں فرمانِ نبوی ہے: (جمعہ کے لیے غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے)۔

(79)......نمازِ عیدین کے لیے، حج وعمرہ کا احرام پہنتے ہوئے، غیر مسلم کے اسلام قبول کرنے اور میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (میت کو غسل دینے والا غسل کرے اور (غسل کے دوران) میت کو اٹھانے والا وضو کرے) (ترمذی: صحیح)

(80)......غسلِ جنابت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جنابت سے غسل کی نیت کی جائے۔ پھر غسل کرے۔ صحیح بخاری (272) میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے غسل کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: (جب رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت فرماتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ دھوتے، پھر نماز کی طرح کا وضو کرتے، اس کے بعد ہاتھ کی انگلیوں سے سر کے بالوں کی جڑوں کو پانی سے تر کرتے، تین لپ پانی سر پر ڈالتے، اور پھر سارے بدن پر پانی بہاتے (آخر میں دونوں پاؤں دھوتے)۔

(81)......مسنون طریقۂ غسل کے علاوہ اگر غسلِ جنابت کی نیت سے جسم کو پانی سے تر کر لیا جائے تو بھی غسل ہو جاتا ہے۔

تیمم کے مسائل:

(82)......تیمم کی شرطیں: (1) اسلام، (2) عقل، (3) تمیز، (4) نیت، (5) پانی نہ ملنا، جیسا کہ سابقہ آیت میں ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھ کا تیمم کرلو)، یا سخت بیماری کی وجہ سے اسے استعمال نہ کیا جا سکتا ہو: ﴿وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ﴾ (اور اگر تم بیمار ہو)، یا شدید سردی میں ٹھنڈے پانی کے استعمال سے جان کو خطرہ ہو جیسا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شدید سردی میں احتلام ہونے پر تیمم کر کے صبح کی نماز پڑھا دی جب رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ سن کر مسکرا دیئے اور کچھ نہیں فرمایا) (احمد، ابوداؤد: صحیح)۔ (6) چھٹی شرط یہ کہ تیمم پاک مٹی سے کیا جائے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (پاک مٹی سے تیمم کرلو)۔

(83)......روئے زمین پر موجود ہر طرح کی پاک: مٹی، ریت، پتھر وغیرہ سے تیمم کیا سکتا ہے، صحیحین میں فرمانِ نبوی ہے: ﴿وَجُعِلَتْ لِي ٱلْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا﴾ (میرے لیے روئے زمین کو سجدہ گاہ اور طہارت بنا دیا گیا ہے)۔

(84)......اگر جسمانی تکلیف (Skin diseases) کی وجہ سے پانی استعمال نہ کیا جا سکے تو اس صورت میں جسم کا جو حصہ دھونا ممکن ہو اسے دھو یا جائے، اور جو حصہ دھونا ممکن نہ ہو اس کی طرف سے تیمم کرلیا جائے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (جس قدر ممکن ہو اللہ سے ڈرو) (التغابن: 16)، (فتاوی اللجنة الدائمة: 407/24)۔

(85)......اگر کوئی شخص پانی تک نہ پہنچ سکتا ہو، اور اسے کوئی لا کر دینے والا بھی نہ ہو تو اس کے لیے بھی تیمم کرنا جائز ہے۔ (فتاوی اسلامیہ: 263)

(86)......اگر کسی شخص کو پانی یا مٹی کچھ بھی نہ مل سکے تو وہ اسی حالت میں نماز ادا کر لے، نماز کو قضا کرنا جائز نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

(87)......تیمم کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (تجھے اپنے

ہاتھ سے اس طرح کر لینا کافی تھا۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ایک مرتبہ زمین پر مارے، اور بائیں ہاتھ کو دائیں پر اور ہتھیلیوں پر پھیرا، اور منہ پر مسح کیا) (بخاری ومسلم)

(88)......تیمم ان تمام چیزوں سے ختم ہوتا ہے جن سے وضو ختم ہوتا ہے، مزید یہ کہ پانی حاصل ہونے یا اسے استعمال کرنے کی استطاعت پانے پر بھی تیمم ختم ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (پاک) مٹی مسلمان کے لیے طہارت (تیمم) ہے، خواہ دس سال تک پانی نہ ملے لیکن جب مل جائے تو پھر پانی سے جسم دھونا چاہئے) (احمد وترمذی: صحیح)

متفرقہ مسائل:

(89)......سر کا کچھ حصہ مونڈنا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا منع ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے) قزع کا معنی: سر کا کچھ حصہ منڈوا دینا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا) (بخاری ومسلم)

(90)......سو کر اٹھنے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونا اور تین بار ناک جھاڑنا چاہئے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (آدمی سو کر اٹھے تو جب تک اپنے ہاتھ تین مرتبہ نہ دھولے، برتن میں نہ ڈالے۔ کیونکہ معلوم نہیں رات اس کا ہاتھ کس کس جگہ لگتا رہا) (مسلم)

(91)......سو کر اٹھنے کے بعد وضو سے پہلے زبانی قرآن کی تلاوت کرنا اور دعائیں پڑھنا جائز ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شب گذاری کی تو دیکھا آپ آدھی رات تک سونے کے بعد اٹھے، اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر کر نیند کے آثار دور کئے، پھر سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خوب اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی) (مسلم)۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سونے سے پہلے یہ دعا پڑھتے: ((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى)) اور جب جاگتے تو یہ دعا پڑھتے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ)) (بخاری)

نمازِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز کا طریقہ

فرمانِ نبوی ہے: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (صحیح البخاری: 631)

صحیح احادیث کے مطابق شروع سے آخر تک طریقہ نماز

1:...... باوضو ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہوں، پاؤں اپنے جسم کے مطابق کھولیں۔

2:...... اگر جماعت میں ہیں تو اپنے ساتھ والے آدمیوں سے پاؤں اور کندھے ملا کر کھڑے ہوں۔ (صحیح البخاری : 683)

3:...... جو نماز پڑھنا چاہتے ہیں اس نماز کی دل میں نیت کریں۔ (صحیح البخاری: 1)

4:...... دونوں ہاتھ کانوں کے نچلے کنارے یا کندھوں تک اٹھائیں۔ (صحیح البخاری: 783)

5:...... ہاتھوں کی انگلیاں نہ باہم ملی ہوں اور نہ ہی زیادہ کھلی ہوں اور ہتھیلیاں قبلہ رخ ہوں۔ (صفة الصلاة للالبانی : 199/1)

6:...... تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہیں۔ (صحیح البخاری: 6251، 6667، صحیح مسلم: 397)

7:...... دونوں ہاتھوں کو سینے پر اس طرح رکھیں کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑا ہو۔ (صحیح البخاری : 740، صحیح ابن خزیمه)

8:...... پھر دعائے استفتاح (ثنا) پڑھیں: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ. اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

(صحیح البخاری : 44، صحیح مسلم : 598)

یا یہ دعا پڑھیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. (سنن ابن ماجه : 804)

پھر پڑھیں: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
(النحل : 98، صحیح البخاری)

9:......سورت فاتحہ پڑھیں، نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے (ہر رکعت میں) فاتحہ نہ پڑھی۔'' (صحیح البخاری : 714)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۗ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۗ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

10:...... پھر (آمین) کہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ معاف ہو گئے۔ (صحیح البخاری : 782)

11:......سورت فاتحہ کے بعد قرآن میں سے کوئی سی بھی وہ آیتیں یا سورت پڑھیں جو آپ کو یاد ہوں۔ (صحیح البخاری : 793، صحیح مسلم : 397) اگر جماعت میں ہیں اور امام جہری قراءت کر رہا ہے تو (فاتحہ پڑھ کر) امام کی قراءت خاموشی سے سنیں۔
(سنن ابی داؤد : 824، جامع الترمذی : 312)

12:......قراءت کے اختتام پر (اللہ اکبر) کہیں اور رفع الیدین کرتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں۔ (صحیح البخاری : 736، 737)

حالتِ رکوع میں: (1) کمر سیدھی ہو۔ (صحیح البخاری : 828) (2) سر، کمر اور پیٹھ بالکل برابر ہو (نہ نیچے اور نہ اوپر) (صحیح مسلم : 498) (3) گھٹنوں پر ہتھیلیاں اس طرح سے ہوں کہ جیسے گھٹنوں کو پکڑا ہوا ہے۔ (ابو داؤد : 734) (4) بازو پہلوؤں سے جدا ہوں۔ (ابو داؤد : 734)

13:......رکوع کی دعا: اطمینان سے رکوع کرتے ہوئے بار بار یہ دعا پڑھیں: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (میرا رب عظیم (ہر عیب سے) پاک ہے) (صحیح مسلم: 722)

14:...... پھر رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کہیں: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی) (صحیح البخاری) اور رفع الیدین کریں۔ (صحیح البخاری: 739)

قومہ کا طریقہ و دعائیں:

15:...... رکوع کے بعد اطمینان سے سیدھا کھڑے ہو جائیں۔ (صحیح البخاری: 735، صحیح مسلم: 391)، اس قومہ میں ہاتھ باندھنا یا کھلے چھوڑنا (دونوں طرح) جائز ہیں۔

16:...... پھر یہ دعا پڑھیں: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ (میرے رب! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، بہتر زیادہ، پاکیزہ اور بابرکت تعریفیں) (صحیح البخاری: 799، صحیح مسلم: 392)

17:...... پھر (اللہ اکبر) کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں۔

حالت سجدہ میں:

(1) سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے ہاتھ رکھیں پھر گھٹنے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد: 840)

(2) دورانِ سجدہ سات (7) اعضاء کا زمین پر لگنا ضروری ہے: (i) پیشانی (اور ناک) (ii) دونوں ہاتھ (iii) دونوں گھٹنے (iv) دونوں پاؤں (ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ (صحیح البخاری: 812، صحیح مسلم: 490)

(3) دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم: 497) انگلیاں قبلہ رخ اور باہم ملی ہوئی ہوں۔

(4) کہنیاں زمین سے بلند اور پہلوؤں سے دور ہوں۔ (صحیح مسلم: 495، 497) اگر باجماعت نماز ادا کر رہے ہیں تو اس انداز سے کھولیں کہ دوسرا نمازی تنگ نہ ہو۔

(5) پاؤں زمین پر کھڑے اور باہم ملے ہوئے ہوں۔ (صحیح ابن خزیمۃ: 328/1)

سجدہ کی دعائیں:

18:...... سجدہ میں بار بار یہ دعا پڑھیں: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى (پاک ہے میرا

پروردگار جو بلند و بالا ہے)(سنن ابی داؤد : 8970)

19:...... پھر (اللہ اکبر) کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھائیں۔

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ اور دعا:

20:...... بایاں پاؤں زمین پر بچھا کر اطمینان سے اس پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو زمین پر کھڑا رکھیں، جبکہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ (صحیح البخاری : 828)

21:...... دونوں ہاتھ گھٹنوں یا رانوں پر ہوں۔ (سنن النسائی: 1265، مسند احمد: 317/4)

22:...... دونوں سجدوں کے درمیان (قعدہ) میں یہ دعا پڑھیں: رَبِّ اغْفِرْلِیْ، رَبِّ اغْفِرْلِیْ، رَبِّ اغْفِرْلِیْ (میرے رب! مجھے بخش دے) (تین دفعہ) (صحیح البخاری)

یا پھر یہ دعا پڑھیں: (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ، وَارْحَمْنِیْ، وَاهْدِنِیْ، وَعَافِنِیْ، وَارْزُقْنِیْ)

(اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت، عافیت اور روزی عطا فرما۔''

(ابو داؤد : 850)

(پھر پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ کریں اور دعائیں پڑھیں)

23:...... دونوں سجدے کر کے پہلی اور تیسری رکعت میں کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھیں۔ (صحیح البخاری : 823)

24:...... اور پھر دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر (اللہ اکبر) کہتے ہوئے اگلی رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ (صحیح البخاری : 824)

باقی رکعات (دعائے استفتاح (ثنا) کے علاوہ) پہلی رکعت کی طرح ہی پڑھیں۔

پہلے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ اور دعا:

25:...... دوسری رکعت کے بعد بایاں پاؤں زمین پر بچھا کر اطمینان سے اس پر بیٹھیں، دائیں پاؤں کو زمین پر کھڑا رکھیں اور انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ (سنن النسائی : 1159)

26:...... پہلے تشہد کی دعا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ

عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (صحيح البخاري : 1144) (میری ساری قولی، بدنی اور مالی عبادت صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، سلامتی اور برکتیں ہوں اور ہم پر اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔)

27:......اگر نماز تین یا چار رکعتوں کی ہو تو تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے رفع الیدین کریں۔ (صحيح البخاري : 739)

28:......تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورت فاتحہ پڑھیں۔ دوسری سورت پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (صحيح بخاري و مسلم) اگر پڑھ لی جائے تو بھی جائز ہے۔

آخری تشہد کا طریقہ اور دعا:

29:......آخری تشہد کے لیے بائیں پاؤں کو دائیں ٹانگ کے نیچے سے نکال کر بیٹھ (سیرین) پر بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھیں کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں، (صحيح البخاري : 828) اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اس طرح ہو کہ شہادت کی انگلی اٹھی ہوئی ہو، انگوٹھے اور درمیانی انگلی کو ملا کر حلقہ بنائیں اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اس طرح رکھیں کہ اسے پکڑا ہوا ہو۔ (صحيح مسلم : 1335)

30:......پھر پہلے تشہد کی دعا کے ساتھ مندرجہ ذیل دعائیں بالترتیب پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(صحيح البخاري : 3370) (اے اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد پر رحمت فرما، جس طرح تو نے ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر رحمت فرمائی، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے

اللہ! محمد ﷺ اور آل محمد پر برکت فرما، جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت فرمائی، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ. (اے اللہ! میں عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی، موت اور مسیح الدجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

(صحيح البخاری : 832)

احادیث میں اس کے علاوہ بھی مذکور اور مسنون دعائیں پڑھ سکتے ہیں۔

31:.....پھر دائیں جانب چہرہ پھیرتے ہوئے کہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔
پھر بائیں جانب چہرہ پھیرتے ہوئے کہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

(سنن ابی داؤد : 996)

32:.....سلام کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہیں پھر تین دفعہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہیں۔

(صحيح مسلم : 591)

33:.....پھر نماز کے بعد کے اذکار کہیں: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (صحيح مسلم : 414/1)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (البخاری و مسلم)

34:.....اس کے علاوہ (33) مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور ایک دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہا جائے۔(418/1)

35:.....تینوں قل پڑھے جائیں۔(سنن ابی داؤد : 86/2)

36:.....آیت الکرسی پڑھی جائے۔(عمل الیوم واللیلہ للنسائی: 100)

عقیدۂ مسلم

س:.....توحید کا معنی کیا ہے؟

ج:..... یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ: ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرۃ:163)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

((فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالَى))

''سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دینا.....'' (بخاری ومسلم)

س:.....علمِ توحید کی کیا فضیلت واہمیت ہے؟

ج:.....علمِ توحید افضل ترین علم ہے، کیونکہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کے حقوق کا علم ہوتا ہے۔

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد:19)

''جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبودِ برحق نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (رواہ مسلم)

''جو شخص (لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ) کا علم رکھتا ہوا فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

س:.....اللہ نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟

ج:.....تا کہ ہم اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات:56)

''میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا))

''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔'' (بخاری ومسلم)

س:......عبادت کا کیا معنی ہے؟

ج:......لفظِ عبادت: عبودیت سے ہے، جس کا معنی بندگی سے ہے، اور یہ ایسا جامع ترین لفظ ہے جس میں ہر طرح کے ظاہری وباطنی اعمال واقوال داخل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ یعنی بندے کا اللہ کے تابع اور مطیع وفرمانبردار ہو جانا، حتیٰ کہ اس کا ہر قول وفعل اللہ کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔

س:......اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو کس مقصد کے لیے بھیجا؟

ج:......تاکہ وہ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں اور اس کے ساتھ شرک سے منع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(النحل:36)

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ ...... وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

'''تمام انبیاء آپس میں بھائی بھائی ہیں .... اور ان کا ایک ہی دین ہے (یعنی سبھی کی توحید کی دعوت ہے)'' (بخاری ومسلم)

س:......بغیر حساب جنت داخل ہونے والے کون لوگ ہیں؟

ج:......بغیر حساب کے جنت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو توحید کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (فاطر : 32)

''(مسلمانوں میں سے) کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکی میں سبقت لے جاتے ہیں۔''

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔'' (مسند احمد: صحیح)

مزید رسول اللہ ﷺ نے ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ)) (بخاري)

''جو لوگ کسی سے دم نہیں کرواتے، اور نہ بدشگونی لیتے ہیں، اور نہ آگ سے داغ لگواتے ہیں، بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

س:.....توحید کی کتنی اقسام ہیں؟

ج:.....توحید کی تین قسمیں ہیں: (1) توحید ربوبیت (2) توحید الوہیت (3) توحید اسماء وصفات۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم: 65)

''آسمانوں، زمینوں، اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کرو، اور اس کی عبادت پر جمے رہو، کیا اس کا ہمنام کسی دوسرے کو جانتے ہو۔''

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ)) (مسلم:5109)

''بے شک میں نے اپنے تمام بندوں کو موحّد پیدا کیا ہے، لیکن شیطانوں نے انہیں اپنے دین سے گمراہ کر دیا۔''

س:......توحید الوہیت کسے کہتے ہیں؟

ج:......تمام ظاہری و باطنی، قولی و فعلی عبادات کا مستحق صرف اللہ کو ماننا جیسے کہ دعا، نذر اور توکل وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ (النساء: 36)

''اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا:

((فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالَى))(بخاري)

''سب سے پہلے انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں۔''

توحید الوہیت کا تعلق بندوں کے افعال سے ہے۔

س:......توحید ربوبیت کسے کہتے ہیں؟

ج:......خلق، ملک اور تدبیر جیسے افعال اللہ تعالیٰ کے لیے خاص قرار دینا توحید ربوبیت کہلاتی ہے۔ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الأنعام: 164)

''کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب تلاش کروں جبکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))

''ہر بچہ فطرتِ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

س:......توحید اسماء و صفات سے کیا مراد ہے؟

ج:......قرآن و حدیث سے ثابت شدہ اسماء و صفات کو بغیر کسی انکار، تبدیلی، تشبیہ اور کیفیت کے ماننا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوری:11)

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ دیکھنے سننے والا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَنْزِلُ اللّٰهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ)) (مسلم)

''اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نزول فرماتا ہے۔''

س:......دینِ اسلام کے کتنے درجے ہیں؟

ج:......اسلام کے تین درجے ہیں: (1) اسلام (اطاعت قبول کرلینا)، (2) ایمان (دل کی گہرائی سے اسلام پر عمل پیرا ہونا)۔ (3) احسان (صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ، ورنہ اس کا مراقبہ کرتے ہوئے عبادت کرنا) جب ان تینوں میں سے کسی ایک کا ذکر ہوتا ہے تو دوسرے درجے بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔

جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے کہا:

أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلَامِ؟...... أَخْبِرْنِي عَنْ الإِيمَانِ؟...... أَخْبِرْنِي عَنْ الإِحْسَانِ؟...... (مسلم)

''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: (أَيُّ الإِسْلَامِ خَيْرٌ؟) (کون سا اسلام بہتر ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: (الإِيْمَانُ بِاللّٰهِ) (اللہ پر ایمان لانا)''

(مسند احمد 4/114)

س:...... ارکانِ اسلام بیان کریں؟

ج:......اسلام کے پانچ (5) ارکان ہیں: (1) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے (2) نماز قائم کرنا۔ (3) زکاۃ ادا کرنا۔ (4) حج کرنا۔ (5) رمضان کے روزے رکھنا۔

1- ﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران: 18)

''اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں''

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ (المنافقون: 1)

''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم (محمد ﷺ) اس کا رسول ہو۔''

3,2- ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرة: 43)

''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔''

4- ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ (آل عمران: 79)

''اور لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں۔''

5- ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة: 183)

''تم پر روزے فرض کیے گئے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (متفق علیه)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

س:...... (لا إله إلا اللّٰه) کا کیا معنی ہے؟

ج:...... یہ کلمہ نفی اور اثبات پر مشتمل ہے، (لا إله) میں اللہ کے سوا ہر چیز کی عبادت کی نفی وانکار ہے، اور (إلا اللّٰه) میں صرف ایک اللہ کے لیے بندگی وعبادت کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرة: 256)

''پس جو طاغوت کا انکار کر کے ایک اللہ پر ایمان لایا، یقیناً اس نے مضبوط کڑے

کو مضبوطی سے تھام لیا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا)) (متفق علیہ)

"اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کرو۔"

س:...... ایمان کیا ہے؟ اور اس کے قول وعمل اور کم زیادہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟

ج:...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾ (البینۃ: 5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کریں۔"

اس آیت میں: نیت اور قول وعمل کو دین کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بڑھنے اور کم ہونے سے متعلق فرمایا:

﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ﴾ (الفتح :4)

"تا کہ ان کا ایمان پہلے ایمان کے ساتھ اور بڑھ جائے۔"

مزید رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ)) (صحیح مسلم)

"(ایمان کے ستر (70) سے زیادہ درجے ہیں، سب سے اونچا درجہ (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) کہنا ہے اور سب سے کم درجہ: راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ہے۔"

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَيْسَ الإِيمَانُ بِالتَّمَنِّي وَلَا بِالتَّحَلِّي وَلَكِنْ مَا وَقَرَ فِي الْقَلْبِ وَصَدَّقَهُ الْعَمَلُ" (ابن ابی شیبہ)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے (1080) محدثین سے علم حاصل کیا ہے، سبھی کہتے تھے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے جوزیادہ اور کم ہوتا ہے۔(سیر اعلام النبلاء 395/12)

س:......ارکانِ ایمان کیا ہیں؟

ج:......ایمان کے 6 ارکان ہیں: (1) اللہ تعالیٰ پر۔ (2) فرشتوں پر۔ (3) اللہ کی کتابوں پر۔ (4) رسولوں پر۔ (5) قیامت کے دن پر۔ (6) اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ﴾

"بلکہ نیک وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر۔ قیامت کے دن پر۔ فرشتوں پر۔ کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو" (البقرۃ: 177)

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝﴾ (القمر: 49)

"بے شک ہم نے ہر چیز ایک تقدیر سے پیدا کی ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) (مسلم)

"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔"

س:......اللہ پر ایمان کا معنی کیا ہے؟

ج:......اللہ پر ایمان میں 4 چیزیں شامل ہیں: (1) صدقِ دل سے تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موجود قائم ودائم ہے، (2) توحید الوہیت، (3) توحید ربوبیت، (4) اور توحید اسماء وصفات پر ایمان لانا۔

(1) اللہ کے وجود پر کوئی دلیل:

﴿اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (ابراھیم: 10)

''کیا اللہ کے بارے میں بھی شک ہوسکتا ہے جو آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا ہے۔''

(2) اللہ کے وجود پر عقلی دلیل:

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴾ (الطور: 35)

''کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا ہو گئے ہیں، یا کہ یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟''

(3) اللہ کے وجود پر فطری دلیل:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ)) (البخاري (1358) ومسلم (2658)

''ہر بچہ فطرتِ توحید پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

بقیہ دلیلیں: توحید کی اقسام میں ملاحظہ فرمائیں:

س:...... اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ج:...... اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے عرش پر مستوی ہے

﴿ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴾ (طه: 5) ''رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ)) (بخاری)

''اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے" اور وہ عرش پر اس کے پاس محفوظ ہے۔''

س:...... احسان کا کیا معنی ہے؟

ج:...... اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے یقین وایمان اور دلجمعی سے کی جائے کہ جیسے اللہ کو سامنے دیکھ رہے ہوں، یا کم از کم یہ ذہن میں رکھا جائے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴾ (الشعراء: 218)

''وہ تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل وحرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) (مسلم)

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس انداز پر کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

س:...... یوم آخرت پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟

ج:......صدقِ دل سے یقین رکھنا کہ مرنے کے بعد ہمیں زندہ کیا جائے گا اور مرنے سے لے کر جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک کے تمام مراحل پر ایمان لانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ (الحج: 7)

''اور بے شک قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) (مسلم)

''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے تو اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔''

س:......تقدیر پر ایمان کے کتنے درجے ہیں؟ اور ان کی کیا دلیلیں ہیں؟

ج:...... تقدیر پر ایمان کے چار (4) درجے ہیں: (1) علم (2) کتابت (3) اللہ کی مشیت (4) تخلیق۔

(پہلا درجہ) اللہ کو ہر تقدیر کا علم ہونا، دلیل: ﴿ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (اور

یہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے) (الطلاق:12)
(دوسرا درجہ) اللہ تعالیٰ کا اس تقدیر کا لوحِ محفوظ میں لکھنا، دلیل: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ (اور ہم نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے) (یس: 12)
(تیسرا درجہ) اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت کاملہ پر ایمان لانا، دلیل: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ (اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے) (الدھر: 30)، (چوتھا درجہ) اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، دلیل: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو۔ (الصافات: 96)

س:.....عبادت کی قبولیت کے لیے دو بڑی شرطیں کیا ہیں؟

ج:..... سچے ایمان کے ساتھ: (1) اللہ کی عبادت مخلص ہو کر (2) سنت کے مطابق کی جا۔

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینة: 5)

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔''

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهوَ رَدٌّ))

''جس نے ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا وہ ادا کر دیا جائے گا۔'' (مسلم)

س:.....سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟

ج:.....اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان:13)

''بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهوَ خَلَقَكَ)) (مسلم)

''اس اللہ کے شریک ساتھ کرے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''

س:.....کیا امتِ مسلمہ میں شرک واقع ہو سکتا ہے؟

ج:......قرآن وسنت میں واضح طور بیان ہے کہ امتِ مسلمہ میں شرک واقع ہوگا اور امتِ مسلمہ کا ماضی وحاضر بھی اس بات پر گواہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝﴾ (یوسف:106)

''ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود شرک کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ)) (ترمذي)

''اس وقت تک قیامت نہ آئے گی کہ جب تک میری امت کے بعض گروہ مشرکین سے نہ مل جائیں اور بتوں کی عبادت نہ کریں۔''

س: ....شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر میں کیا فرق ہے؟

ج: .... شرکِ اکبر کا ارتکاب کرنے سے آدمی (1) اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ (2) تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ (3) جنت حرام ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی بن جاتا ہے۔

شرکِ اصغر سے (1) صرف شرکیہ عمل کی بربادی۔ (2) گناہِ کبیرہ ہے، اگر توبہ نہ کی جائے تو عذاب کا مستحق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (یونس: 106)

''اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو، وہ تمہارے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں، اور اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں (مشرکوں) میں سے ہو جاؤ گے۔''

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الانعام: 88)

''اور اگر یہ (انبیاء) شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال برباد ہو جاتے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ (النساء:48)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا۔''

س:...... اللہ سے ڈر خوف میں شرک کیسے ہوتا ہے؟

ج:...... غیر اللہ سے کسی متوقع نقصان کا ڈر کہ وہ اپنی غیبی طاقت سے کسی بیماری، تکلیف یا نقصان سے دو چار نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ﴾ (العنكبوت : 10)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ کوئی مشکل آتی ہے تو لوگوں کے ستم کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں۔''

((مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَأَرْضَى النَّاسَ عَنْهُ ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ، سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ)) (صحيح ابن حبان)

''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی رکھے تو اللہ اس پر راضی ہو کر لوگوں کو بھی اس پر راضی کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو کر لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔''

س:...... غیر اللہ کو پکارنا کیسا ہے؟ مثلاً ولیوں بزرگوں کو پکارنا؟

ج:...... قرآن وسنت میں غیر اللہ پکارنے کو شرکِ اکبر اور جہنم میں داخلے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴾ (الشعراء:213)

''پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار، ورنہ تو بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ))

''جس کی موت غیر اللہ کو پکارتے ہوئے آئی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔'' (بخاری)

س:.....غیر اللہ کو پکارنا شرک کیوں ہے؟

ج:..... دعا اہم ترین عبادت ہے۔ کیونکہ دعا میں عاجزی، امید، فریاد والتجا ہوتی ہے جو صرف اللہ کا حق ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر:60)

''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت قرار دیا ہے۔ مزید نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (ترمذی، حسن صحیح)

''دعا کرنا ہی (اصل) عبادت ہے۔''

س:.....کیا مردے دعا سنتے ہیں؟

ج:..... مردوں کے حالات کو جاننے والا (علاّم الغیوب) فرماتا ہے: مردے دعا نہیں سنتے۔

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ (الاحقاف : 5)

''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۖ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ﴾ (فاطر:14)

''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (فاطر:22)

''(اے نبی) تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔''

س:..... کسی مشکل و مصیبت میں غیر اللہ سے فریاد کرنا کب شرک ہوگا؟

ج:..... کسی مخلوق سے ایسی مشکل و مصیبت میں فریاد کرنا شرک ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی حل کر سکتا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ﴾ (یونس: 107)

''اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مصیبت میں گرفتار کر لے تو اس کے سوا کوئی اسے ٹالنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی خیر دینا چاہے تو کوئی اس کے فضل و کرم کو روک نہیں سکتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا:

((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) (الطبراني، صحيح)

''مجھ سے مدد نہیں لی جاتی، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد لینا چاہیے۔''

ابن قیم فرماتے ہیں: غیر اللہ سے فریاد ہی دنیا کا اصل شرک ہے۔

س:..... کب غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہوگا؟

ج:..... کسی مردہ یا زندہ شخص سے ظاہری اسباب سے بالاتر ہو کر مدد طلب کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (الفاتحہ:5)

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) (ترمذی)

"جب تو سوال کرے تو اللہ سے کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مانگ۔"

س:...... حاضر و موجود زندوں سے مدد مانگنے کا کیا حکم ہے؟

ج:...... اُن سے ایسی مدد مانگ سکتے ہیں جو ان کی استطاعت کے مطابق ہو۔

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ (المائدہ:3)

"نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

س:...... کیا غیر اللہ کو خوش کرنے کے لیے ذبح کرنا جائز ہے؟

ج:...... ہرگز نہیں۔ ایسا کرنا شرک اکبر ہے۔ کیونکہ ذبح کرنا عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ﴾ (الکوثر:2)

"پس اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ)) (مسلم)

"جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

س:...... کیا ہم غیر اللہ سے پناہ لے سکتے ہیں؟

ج:...... ہر طرح کی پناہ اللہ ہی سے طلب کرنا چاہیے، مگر ظاہری اسباب کے ہوتے ہوئے کسی چیز سے پناہ لی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ ۙ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ ﴾ (الجن: 22)

"کہہ دیجیے یقیناً میں، مجھے اللہ سے کوئی بھی کبھی پناہ نہیں دے گا اور میں اس کے سوا کبھی پناہ کی کوئی جگہ نہیں پاؤں گا۔"

اس کے علاوہ قرآن مجید میں کتنے ہی مقامات پر اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ ﴾ (الفلق: 1-2)

"آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر اس چیز کے شر سے جو

اس نے پیدا کی۔"

س: قبروں کی عبادت کیسے ہوتی ہے؟ اور ان کے بارے غلو (زیادتی) کیا ہے؟

ج: قبروں کی عبادت: ان کو پکا بنانا، ان پر کسی طرح کی تعمیر کرنا، چراغاں کرنا، نذرانے پیش کرنا، ذبح کرنا اور ان کے پاس کسی طرح کی عبادت کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں دعا کرتے ہوئے کہا:

((اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) (موطا مالك)

"یا اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا جس کی عبادت کی جائے۔ اللہ کا سخت غصہ ہے ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔"

مزید آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا)) (مسلم)

"نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ہی اس کی طرف رخ ہو کر نماز پڑھو۔"

س: جادو کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج: جادو شیطانی عمل ہے، لہٰذا اس کا کرنا، سیکھنا، سکھانا کفر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (البقرة: 102)

"بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ)) (مسلم)

"سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جادو کرنا۔"

س: نظر بد کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: نظر بد برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ﴾ (القلم: 51)

''اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْعَيْنُ حَقٌّ، ولَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ.))

(مسلم: 5598)

''نظر بد برحق ہے، اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاتی تو نظر بد ہے۔''

(لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ) (مسلم: 5598)

''رقیہ شرعیہ نظر بد اور کسی چیز کے ڈسنے سے کرنا چاہیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے نظر بد کا علاج بتاتے ہوئے فرمایا: اگر معلوم ہو جائے کہ کس کی نظر لگی ہے تو اس کے وضو یا غسل کا پانی لے کر مریض پر ڈالا جائے۔

س:......کس چیز کا طواف کرنا جائز ہے؟

ج:......طواف عبادت ہے، اس لیے طواف صرف بیت اللہ کا کرنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (الحج :39)

''اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔''

س:......کیا کوئی غیب کی باتیں جانتا ہے؟

ج:......اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: 65)

''کہہ دیجیے کہ آسمان وزمین والوں میں سے اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔''

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: 59)

''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: ﴿لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾)) (صحيح بخاری : 7380)

''اگر تم سے کوئی یہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ غیب جانتے تھے تو غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں۔''

س:...... کاہن اور نجومی کون ہوتے ہیں؟ اور ان کے پاس جانے اور ان کی بات کی تصدیق کرنے کا کیا حکم ہے؟

ج:...... جو مستقبل کی یا غیبی خبریں دینے کے دعوی کرتے ہیں، جسے صرف اللہ جانتا۔ انہیں نجومی یا کاہن کہتے ہیں، ایسے لوگوں کے پاس جانا حرام اور اُن کی باتوں کی تصدیق کرنا شرک ہے۔ یہ دعویٰ دو لحاظ سے کفر ہے: (1) اللہ کی صفت علم غیب میں شرک ہونا:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: 65)

''کہہ دیجیے کہ آسمان وزمین کا علم غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(2) یہ شیطانی عمل ہے، کیونکہ وہ اس طرح کی باتیں شیطانوں کی وحی سے بتاتے ہیں، جیسا کہ فرمان ہے:

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ (الانعام: 121)

''اور شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیاطین ایک دوسرے کے اوپر چڑھ کر آسمان پر پہنچ جاتے ہیں اور فرشتوں کی باتوں سے مستقبل کی خبریں حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے دوست نجومیوں تک پہنچا دیتے ہیں، جو اس ایک سچ کے ساتھ 99 جھوٹ بھی چلا لیتے ہیں۔

مزید آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتَى كَاهِنًا، أَوْ عَرَّافًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ.)) (مسند احمد)

''جو شخص کسی دست شناس یا نجومی کے پاس آئے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کر دیا (یعنی وہ کافر ہو گیا)۔''

س:...... کیا ہاتھ میں کڑا یا گردن میں تعویذ لٹکا سکتے ہیں؟

ج:..... ہاتھ میں کڑا یا گردن میں تعویذ لٹکانا جائز نہیں۔ کیونکہ ایسی چیزوں کو اللہ نے شفا کا ذریعہ نہیں بنایا۔

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: 17)

''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی تمہیں اس سے بچا نہیں سکتا۔''

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ)) (مسند احمد)

''جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔''

س:..... شرعی اور جائز دم جھاڑ کیا ہے؟

ج:..... جس دم میں یہ تین شرطیں ہوں وہ شرعی طور پر جائز ہوگا: (1) خلافِ شرع (شرکیہ) نہ ہو۔ (2) مفہوم ومعلوم شدہ الفاظ سے ہو۔ (3) یہ عقیدہ ہو کہ اس کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الإسراء: 82)

''جو قرآن میں ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے سراپا شفاء ورحمت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((اَعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ)) (مسلم)

''اپنے دم مجھ پر پیش کرو۔ اگر شرک نہ ہو تو دم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

س:..... بدشگونی کیا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

ج:..... بدشگونی یہ ہے کہ کسی: شخص، جانور، وقت، جگہ، یا آواز وغیرہ کو منحوس خیال کرتے ہوئے اس سے کسی آفت ومصیبت کی توقع رکھنا، اور یہ کھلا شرک ہے

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الأعراف: 131)

''اور جب کبھی ان کو بدحالی پیش آتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے، یادرکھو: ان کی نحوست اللہ کی تقدیر سے ہے۔''

((لا عَدْوَى وَلا طِيَرَةَ وَلا هَامَةَ وَلا صَفَرَ))

''چھوت (وائرس) لگنا، بدشگونی لینا، اُلّو کا منحوس جاننا، صفر کو منحوس خیال کرنا، یہ سب غلط باتیں ہیں۔''

((الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، وما مِنَّا إلَّا وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ))

''بدشگونی شرک ہے، اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں (جسے وہم نہ ہوتا ہو) مگر اللہ تعالیٰ اسے توکل سے دور کر دیتا ہے۔''

س:.....کیا دُعا کرتے ہوئے کسی کا واسطہ دینا جائز ہے؟

ج:..... ہرگز نہیں، اللہ دُعا سننے اور قبول کرنے کے لیے کسی واسطہ کا محتاج نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ (البقرہ:186)

''اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ)) (مسلم)

''بلا شبہ تم ایک ایسی ہی ہستی کو پکارتے ہو جو سننے والی ہے، نیز قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔''

س:.....جائز اور ناجائز شفاعت کیا ہے، اور جائز شفاعت کی کیا شرطیں ہیں؟

ج:..... جائز شفاعت توحید و اخلاص والوں کے لیے ہے، جس کی تین شرطیں ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کا شافع پر راضی ہو۔ (2) مشفوع پر راضی ہو، (3) شافع و مشفوع کے لیے اجازت ہو۔ ناجائز شفاعت: جس میں کافر و مشرک خود ہی کسی کو اپنا سفارشی مقرر کر کے اس سے شفاعت

طلب کرتے ہیں۔ عرب کے مشرکین اپنے خودساختہ معبودوں کے متعلق کہتے تھے:

﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (یونس: 18)

''یہ (بزرگ) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ﴾

''اور اس دن سے بچو جب نہ کوئی جان کسی جان کے کچھ کام آئے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔'' (البقرۃ: 48)

مزید فرمایا:

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴾ (النجم: 26)

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور (جسے) پسند کرے۔''

س:..... وسیلہ کا کیا معنی ہے؟ اور جائز و ناجائز وسیلہ کیا ہے؟

ج:..... وسیلہ کا معنی ذریعہ ہے، اصطلاحی طور پر ہر اس چیز کو وسیلہ کہا جاتا ہے جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو: اگر یہ وسیلہ اللہ کے نام، اس کی صفات، اپنے نیک اعمال، اور زندہ نیک شخص کی دعا سے ہو تو جائز ہے۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز یعنی کسی کی ذات وغیرہ کو وسیلہ بنایا جائے تو ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ (المائدۃ: 35)

''اے ایمان والو: اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے وسیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (الاعراف: 180)

''اور اللہ کے تمام نام ہی اچھے ہیں تو اسے اچھے ہی ناموں سے پکارو۔''

عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قحط پڑا تو انہوں نے یہ دعا فرمائی:

((اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا قَحَطْنَا عَلَى عَهْدِ نَبِيِّكَ ﷺ، وَاسْتَسْقَيْنَا بِهِ ، فَسَقَيْتَنَا وإنا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ ﷺ فَاسْقِنَا قَالَ : فَسُقُوا)) (صحيح ابن حبان)

''اے اللہ: جب تیرے نبی ﷺ کے زمانہ میں قحط پڑتا تو ہم ان سے دعا کرا کر بارش طلب کرتے تھے اور تو ہم پر بارش برساتا تھا، لیکن آج (نبی کریم کے فوت ہوجانے کے بعد) آپ کے چچا عباس (جو زندہ موجود تھے) کی دعاء کا وسیلہ سے ہم پر بارش برسادے۔۔أسألُك بكلّ اسمٍ هو لك سمَّيتَ به نفسَكَ۔(احمد)

''اے اللہ! میں تیرے ہر نام کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتا ہوں۔''

س:......کیا غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے؟

ج:......غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ))

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا'' (بخاری)

س:......رسول اللہ ﷺ کا حقیقی مقام کیا ہے؟

ج:......رسول اللہ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔آپ کی تعریف میں حد سے تجاوز کرنا ہرگز جائز نہیں۔

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾ (الكهف : 110)

''اے محمد! کہو میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ)) (بخاري)

''مجھے میرے مرتبے سے نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھا دیا۔ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، تو مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

س:......رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کیا حصہ ہے؟

ج:...... رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کوئی حصہ نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران: 128)

''(اے پیغمبر: اللہ کے) معاملات میں سے آپ کا کوئی اختیار نہیں۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) (البخاري: 4771)

''اے محمد کی بیٹی فاطمہ: میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔''

س:......کیا اللہ اور رسول ﷺ کے اقوال پر کسی قول کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

ج:...... ہرگز نہیں! کیونکہ اسلام کا معنی ہی اللہ اور رسول کے تابع ہو کر چلنا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﴾ (الحجرات:1)

''ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ))

''جہاں اللہ کی نافرمانی ہو وہاں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔'' (ابوداود)

س:......اگر کسی مسئلہ پر اختلاف ہو جائے تو اس کا حل کہاں سے لیں؟

ج:......ان حالات میں قرآن مجید اور سنت صحیحہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء:59)

''اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ)) (رواه مالك، صحيح)

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جن کو تھامے ہوئے تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''

س:......دین میں بدعت کسے کہتے ہیں؟ کیا دین میں بدعت حسنہ ہے؟

ج:......دین اسلام میں ہر اُس دینی کام کو بدعت کہتے ہیں جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ دین اسلام میں کوئی بدعت حسنہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے۔

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ:21)

''کیا ان لوگوں نے ایسے شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔''

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (بخاری ومسلم)

''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں تھی وہ مردود ہے۔''

مزید فرمایا:

((وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) (رواہ ابوداود)

''نئے کام ایجاد کرنے سے بچو؛ بلاشبہ ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

س:......اسلام مخالف قوانین پر عمل کرنا کیسا ہے؟

ج:...... اسلام کے مخالف قوانین کو جائز سمجھتے ہوئے ان پر عمل کرنا کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ:44)

''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

((وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ)) (ابن ماجہ)

''مسلمانوں کے حکمران قرآن کی روشنی میں فیصلہ نہیں کریں گے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کو نہیں اپنائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ ڈال دے گا۔''

س:......امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس پر واجب ہے، اور اس کے مراتب کیا ہیں؟

ج:...... یہ فرض کفایہ ہے جسے ادا کرنے کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے ورنہ سبھی گنہگار اور اللہ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: 104)

''اور تم کو ایسی جماعت ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے، اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، یہی وہ لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنكُم مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ))

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو طاقت کے مطابق اسے بدل دے، اگر اس میں طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے اور اگر زبان سے بھی بدلنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔'' (مسلم)

س:...... اللہ کا ولی کون ہے؟

ج:...... عقیدہ وعمل میں کتاب وسنت کی اتباع کرنے والے اور تقوی وپرہیزگاری اختیار کرنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس: 62)

''بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔''

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ)) (البخاري)

''جو شخص میرے ولی (دوست) سے دشمنی کرتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں، اور میرا بندہ فرائض ادا کرنے سے زیادہ کسی دوسری چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا، پھر میرا بندہ نفلی عبادت کر کے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔''

س:...... صحابہ کرام اور اہلِ بیت سے متعلق ہم پر کیا واجب ہے؟

ج:...... ان کے متعلق ہم پر یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ وہ امت کے افضل ترین لوگ تھے، انہوں اللہ کے دین کی خاطر ہر طرح کی جان ومال کی قربانیاں پیش کیں، اور یہ بھی واجب ہے کہ ہم ان سے محبت اور عزت وتوقیر کریں، دل ان کے بارے صاف ہوں، اور زبان پر ان

کے متعلق کوئی نقطہ چینی نہ ہو، ان کے فضائل بیان کیے جائیں، اور ان سے ہونے والی لغزشوں کو نظر انداز کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحشر: 10)

''اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے، اور ایمان والوں کے بارے میں ہمارے دل میں کینہ بغض نہ ڈال۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ)) (البخاري ومسلم)

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی صدقہ کر لے تب بھی وہ ان صحابہ کے ایک یا آدھی مٹھی صدقہ کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هَذِهِ الأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالا ، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ ؛ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ)) (جامع بيان العلم وفضله ص546)

''تم میں سے جو کسی کو نمونہ بنانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ اصحاب محمد ﷺ کو نمونہ بنائے: کیونکہ وہ لوگ اس امت میں سب سے نیک دل، گہرا علم رکھنے والے، تکلّف سے بالاتر، سب سے ہدایت یافتہ اور بہترین انسان تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا تھا، ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان

کے نقشِ قدم پر چلو، کیونکہ وہی لوگ سیدھی ہدایت پر تھے۔''

س:...... طائفہ ناجیہ منصورہ کون ہے، اور اس کی کیا پہچان ہے؟

ج:...... یہ اس امت کے تہتر (73) فرقوں میں سے ہدایت یافتہ جماعت ہے، دنیا میں کامیابی اور فتح پانے والے، اور آخرت میں جہنم سے بچ کر جنتوں کو جانے والے یہی لوگ ہیں، جو نبی کریم اور صحابہ کے طریقہ پر چلنے والا گروہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾ (البقرة: 173)

''اگر وہ لوگ تم (صحابہ) جیسا ایمان لے آئیں تو یقیناً ہدایت پالیں گے۔''

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: 90)

''یہی لوگ (انبیاء کی جماعت) ایسے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا، سو آپ بھی ان کے طریق پر چلیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) (الترمذي)

''میری امت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہوگی، سوائے ایک جماعت کے سبھی فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ کونسی جماعت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طریقے پر چلنے والے جس پر میں اور میرے صحابہ ہوں گے۔''

((لَنْ يَزَالَ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ)) (البخاري ومسلم)

''میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ لوگوں پر غالب (حق پر قائم رہے گا)، اللہ کا حکم (قیامت) آنے تک وہ غالب رہیں گے۔''

س:...... کسی مسلمان کی تکفیر کا کیا حکم ہے؟

ج:......ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی مسلمان کو کافر قرار دینا جائز نہیں، اگر چہ وہ کسی غلطی میں مبتلا ہو، یہاں تک کہ اس پر دلائل سے حجت قائم کردی جائے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں: اگر کسی کے کفر کی 99 دلیلیں اور اس کے مقابلہ اس کے مسلمان ہونے کی ایک دلیل ہو تو اس دلیل کی بنیاد پر اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الأحزاب: 58)

''جو مومن مرد اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم پر اذیت دیتے ہیں وہ بہت بڑے بہتان اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔''

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ (الحجرات: 11)

''اور برے لقبوں سے نہ پکارو، ایمان کے بعد فسق برا نام ہے۔''

بعض علماء کا کہنا ہے یہ آیت کسی کی تکفیر کے بارے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلاً بِالفُسُوقِ وَلاَ يَرْمِيهِ بِالكُفْرِ إلاّ ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ)) (البخاري)

''جب بھی کوئی کسی شخص کو فاسق یا کافر کہتا ہے تو اگر جسے کہا گیا وہ کافر نہیں تو یہ (حکم) کفر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔''

((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِالكُفْرِ فَهُوَ كَقَتْلِهِ))

''مومن پر لعنت ڈالنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے اور جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے یہ بھی اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔'' (البخاری)

((إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء بها أحدهما)) (البخاري)

''جب کوئی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے۔''

تعارف فہم دین کورس

رسول اللہ ﷺ نے علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی، نتیجہ یہ ہے کہ پچاس پچاس سال سے نمازیں پڑھنے والے شریعت کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں ہیں ۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محبوب ابو عاصم (شاگرد رشید محدث زمان و فقیہ العصر شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ) اور فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن عزیز نے پاکستان میں پرائمری سطح پر فہم دین کے نام سے ایک پروگرام مرتب کیا ہے ۔ جس میں ہر طرح کی فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر قرآن وسنت کی خالص تعلیمات سادہ انداز میں سکھائی جاتی ہیں ۔ جو نصاب: عقیدہ مسلم، تفسیر قرآن، فقہ الحدیث، اخلاقیات اور سیرت النبی ﷺ پر مشتمل ہے ۔ سہولت کے پیش نظر اسے شارٹ کورسز میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر کورس چار ماہ میں مکمل کیا جاتا ہے ۔ پہلی کلاس کا نصاب آپ کے ہاتھ میں ہے، جس میں تفسیر القرآن (سورۃ الفاتحہ وسورۃ العصر تا سورۃ الناس)، طہارت کے مسائل، مختصر نماز اور عقیدہ مسلم کے مضامین شامل ہیں ۔ آپ خود بھی اس کورس میں شامل ہو کر حصول علم کا فریضہ انجام دیں، اور دوسروں کو اس کی دعوت دے کر صدقہ جاریہ کی سعادت حاصل کریں

والسلام

محمد وقاص ارشد
0321-4182778

دار المصنفین
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
G/F-3 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0308-4131740 0300-4262092
Facebook/Dar-ul-Musanniteen
darulmusannifeen@gmail.com